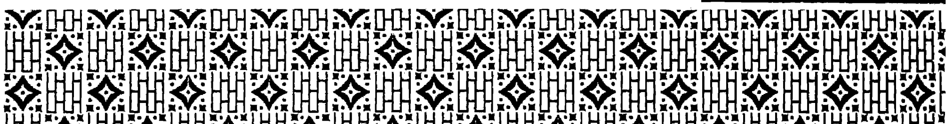
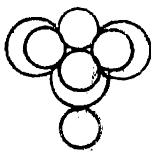
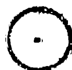
بشیر امجد



اسمِ محبت



بشیر امجد



سن اشاعت ——— جون ۱۹۹۵ء

بار اول ——— ۵۰۰

کتابت ——— یوسف رضا صاحب

ترتیب و تزئین ——— جناب خواجہ شوق صاحب

طباعت ——— اعجاز پرنٹنگ پریس حیدرآباد

سرورق ——— ریاض خوشنویس

طباعت سرورق ——— اعجاز پرنٹنگ پریس حیدرآباد-۲

قیمت ——— ۶۰ روپے

ناشر ——— میرے بڑے بھائی جناب حضرت محمد فصیح الدین احمد سیول جج (ریٹائرڈ)

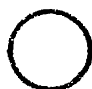
÷ ملنے کا پتہ ÷

○ بمکان بشیر احمد 237-2-5 نزد چارقندیل روبرو ڈالفن کیفے آغا پورہ حیدرآباد ۱ پی فون 5/03551 نمبر 590934

○ عظیم منشن 77/86.4.9 سالار جنگ کالونی حیدرآباد فون 253034

○ حسامی بک ڈپو۔ مچھلی کمان۔ حیدرآباد نمبر فون 4803551

اِنتسابُ



میرے والد بزرگوار محمد برہان الدین احمد (مرحوم)
اور میری والدہ محترمہ کے نام
جن کی سرپرستی، شفقت اور حوصلہ افزائی نے
مجھے شعر گوئی پر آمادہ کیا اور جن کی رہنمائی نے
مجھے مبتدی سے مستند شاعر بنا دیا

لاکھ خدمت کریں بزرگوں کی
فرض پھر بھی ادا نہیں ہوتا

محمد بشیر الدین احمد امجد

نشان سلسلہ	ترتیب و تزئین	صفحہ نمبر

نشان سلسلہ	تخلیقات	صفحہ نمبر

از : ڈاکٹر احمد اللہ خاں
پروفیسر شعبۂ قانون عثمانیہ یونیورسٹی

جوازِ غیر مجاز

اگر کسی اُستاد کو اُس کے شاگرد کے متعلق لکھنے کے لئے کہا جائے تو اُستاد کی رائے شاگرد کے لئے ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر کسی علم نجوم کے ماہر کو کسی کی زندگی کے بارے میں بتانے کو کہا جائے تو اس پر بھی کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر کسی قانون داں کو قانونی مسئلہ کے متعلق اظہارِ خیال کرنے کو کہا جائے تو بھی قارئین مصنف اور تصنیف کے درمیان کے معتبر ربط کو شاید برداشت کر جائیں۔ لیکن اگر کسی قانون کے طالب علم کو کسی شاعر کی شعری کاوشوں کے بارے میں لکھنے کو کہا جائے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شاعر کو کسی اہم مقدمہ کی پیروی کی ذمہ داری سونپی جائے۔ اس کو حالات کی ستم ظریفی بھی کہیں گے۔ اور یہی ستم ظریفی جناب بشیر امجد صاحب نے مجھ سے کی ہے۔ بھلا سوچئے اکسی مشاعرے میں واہ واہ کر دینا اس بات کی دلیل نہیں کہ داد دینے والا شعر کو صحیح سمجھا بھی ہے۔ لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ اس نے شعر سمجھ کر داد دی ہے۔

لیکن بات مشاعرہ میں واہ واہ کی نہ ہو بلکہ ایک کہنہ مشق استادِ سخن کے دیوان پر اظہارِ خیال کی ہو تو قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ لکھنے والا کس قدر ذہنی دباؤ کا شکار نہ ہوگا۔ خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ لکھنے والے کے خود اپنے شعری فہم کا بھرم کھل جانے کا اندیشہ ہو تو یہ ذہنی دباؤ دوگنا ہوجاتا ہے۔ اب بھلا بتائیے کہ "قانون اور شاعری" میں کس بنا پر ربط پیدا کیا جائے کہ قارئین کے سامنے قلم اٹھانے کا جواز پیش کیا جاسکے۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی ایسا جواز قارئین کی نظر میں "جوازِ غیر مجاز" کی حیثیت رکھے گا کیوں کہ قانون میں شاعری تو نہیں کی جاسکتی۔ لیکن جہاں تک شاعری میں غزل گوئی کا تعلق ہے، میری نظر میں یہ "قانونِ عشق" کے رموز ہیں جو شاعر اپنی غزل کی وساطت سے لوگوں کو سکھاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ عشقِ مجازی دراصل عشقِ حقیقی کی پہلی سیڑھی ہے۔ اس لئے آدابِ عشق سکھتے سکھتے عاشق کا عشقِ مجازی کی سیڑھی پھلانگ کر عشقِ حقیقی میں داخل ہو جانا دراصل انسان کے انسانِ کامل بن جانے کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اور یہی کام جناب بشیر امجد صاحب اپنی غزلوں کے ذریعہ کر رہے ہیں۔

اندازِ گفتگو اگر مناسب، متاثر کن اور شیریں ہو تو ملک گیر ہو جاتا ہے۔ دراصل ذہنِ انسانی کو جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ زبان کی شیرینی ہے اور اس کا اثر بھی دیرپا ہوتا ہے۔ اسی لئے بشیر امجد صاحب نے کہا کہ ؎

اپنے اُصول کے تو ہیں پابند ہم مگر
شیریں زبان نے آپ کو محکوم کر دیا

یعنی جہاں شعلہ بیان مقرر کی شعلہ بیانی ذہنوں کو جھنجھوڑ سکتی ہے وہاں خوش بیان شاعر کی خوش بیانی دلوں کو چھُو لیتی ہے۔ شاعری میری نظر میں دراصل دلنشیں پیرائے میں شوکتِ الفاظ اور رفعتِ خیال کے ساتھ وارداتِ قلب بیان کرنے

کا نام ہے۔ جہاں شاعری کو سماج کے اہم مسائل کے حل اور قوم کی تعمیر کا موثر ذریعہ سمجھا جاتا ہے وہاں پیار و محبت اور حسن و عشق کے رموز کا اظہار بھی سمجھا جاتا ہے۔ آج کل کے اس پُر آشوب زمانے میں جبکہ کسبِ معاش کی چکی میں پستے پستے آنکھوں کے نخشار سے سیاہی مائل ہو چلے ہیں۔ انسان کے ہونٹ مسکراہٹ کو ترس گئے ہیں۔ اور خوشی تو دور کی بات ہے خوشی کے خواب بھی نظر آنا بند ہو گئے ہیں اور انسان غربت کے غار میں غفلت کی چادر اوڑھے سو رہا ہے۔ اگر ایسے ماحول میں ان خوابیدہ انسانوں کے کانوں میں کوئی شعر و شاعری کا شہد گھولے تو لمحہ بھر کو ہی سہی بیقرار دل کو سکون نصیب ہو۔ اور پھر اگر پیار پیار میں کام کی بات بھی ہو جائے تو کیا کہنے۔ بشیر امجد صاحب بھی ثواب کما رہے ہیں۔

بشیر امجد صاحب کا وطن محبوب نگر ہے اور شاید اسی لئے محبوب کی نگری میں رہتے رہتے بشیر امجد صاحب کو محبوب سے گفتگو کا فن بہت اچھی طرح آگیا ہے۔ جو اُن کی غزل کے شعر سے عقیدت کے آنسو بن کر ٹپکتا رہتا ہے۔ کبھی یہ آنسو وصل کی خوشی کا اظہار ہیں تو کہیں ہجر کی سوغات۔ حالانکہ بشیر امجد صاحب ۲۸ سال تک "مہتمم مارکٹ" کے عہدہ پر کام کرتے رہے لیکن ان کی شاعری سود و زیاں کے احساس سے پاک ہے۔ اور وہ بے لوث عشق میں جذب ہو جانے پر یقین رکھتے ہیں۔ اور نفع و نقصان کی زبان میں گفتگو نہیں کرتے۔ البتہ صاف گوئی اور اعترافِ حالات ان کا وہ اہم وصف ہے جو ان کی شاعری سے واضح ہے۔ مثلاً خود اپنے ماضی کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ ؎

عہدِ ماضی شباب میں گزرا
بے خودی میں شراب میں گزرا

میرا خیال ہے کہ اس قدر صاف گو ہونا ہمت اور حوصلہ کا کام ہے اور پھر

اس طرزِ عمل کا نتیجہ خود انہی کی زبانی ملاحظہ ہو کہ ؎

اپنی قسمت میں جو لکھا تھا ہوا
لمحہ لمحہ عتاب میں گزرا

اس طرح بشیر امجد صاحب نے اپنی حیات کو کھول کر قارئین کے سامنے رکھدیا ہے۔ شاید اسی لئے انہوں نے اپنے پہلے دو شعری مجموعوں کا نام "رنگِ حیات" اور "تصویرِ حیات" منتخب کیا اور اب یہ تیسرا مجموعہ بھی "آئینۂ حیات" کے نام سے پڑھنے والوں کو اپنا عکسِ حیات دیکھنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

جناب بشیر امجد صاحب دراصل حیدرآبادی حلقوں میں اب کسی تعارف کے محتاج نہیں رہے۔ گو کہ یہ عام مشاعروں میں کم ہی نظر آتے ہیں لیکن مخصوص محفلِ شعر گوئی میں دوست احباب کے اصرار کو شرمندہ نہیں ہونے دیتے۔ آجکل جبکہ لوگ شاعری کو شہرت حاصل کرنے کا سستا نسخہ سمجھ کر نہ صرف ردیف و قافیہ کی قید و بند سے آزاد ہو گئے بلکہ صرف تک بندی اور الفاظ کے ذخیرہ کو شاعری کا نام دے دیا۔ ایسے ماحول میں بشیر امجد صاحب جیسے کہنہ مشق، استادِ سخن اور خوش بیان شاعر کا وجود اس بات کا ثبوت ہے کہ عہد رفتہ کے نشان ابھی باقی ہیں۔ اسی عہدِ رفتہ کا درد خلش بن کر امجد صاحب کے دل میں جاگزیں ہو گیا اور اس شعر کا موجب بنا کہ ؎

ماضی کا دور آج خلش بن کے رہ گیا
باقی کہاں ہے اگلی سی وہ شانِ زندگی

جس طرح بہار آنے پر پھول کا کھلنا طے ہوتا ہے اُسی طرح بشیر امجد صاحب کے ڈائس پر کلام سنانے کے لیے آتے ہی سامعین مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اب ان کو معیاری کلام سننے کو ملے گا۔ ویسے بھی امجد صاحب کی نازک خیالی ان کے نازک پیکر سے



ہر اک ظلم صبر آزما آپ کا ہے
جسے دیکھتا ہوں اسیرِ بلا ہے

مصیبت کے دن ہیں مکدّر فضا ہے
سمجھ میں یہ آتا ہے جینا سزا ہے

غم و رنج دُنیا میں حد سے سوا ہے
بچا مجھ کو مولا، تو میرا خدا ہے

عجب موڑ پر گردشِ وقت لائی
کہ سارا جہاں آج چکرا گیا ہے

وہاں لوگ انسانیت ڈھونڈتے ہیں
جہاں شہر کا شہر مقتل بنا ہے

یہ معصوم دل کا مقدّر تو دیکھو
کہاں جا کے دامِ بلا میں پھنسا ہے

گلوں کے تصوّر میں خاروں کو چُوما
یہی تو مقدّر میں میرے لکھا ہے

نہیں ہے کوئی مطمئن زندگی سے
زمانہ عجب کروٹیں لے رہا ہے

ذرا بچ کے امجدؔ گزرنا وہاں سے
دِنوں بعد اس کا دریچہ کھلا ہے

مترشح ہوتی ہے ۔ لیکن پوری غزل سننے کے بعد ہی سامعین کو احساس ہوتا ہے کہ یہ کمزور پیکر دراصل فنِ غزل کا شہسوار ہے ۔ نازک خیالی کا اظہار میرؔ کے اس شعر میں واضح ہے کہ

نازکی اس کے لب کی کیا کہیئے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

میرؔ کی اس غزل کے ردیف "کی سی ہے" کے الفاظ پر اب تک میرؔ کے دیوانے "سی سی" کرتے رہتے ہیں ۔ بشیر احمد صاحب نے بھی اس بحر میں قدم رکھنے کی کامیاب جرأت کی اور فرمایا کہ ؎

بزمِ ہستی تو خواب کی سی ہے
دلِ خانہ خراب کی سی ہے

نہ صرف یہ بلکہ نہ کہنے والی بات ایسے انداز میں کہہ گئے کہ جیسے کہہ کر بھی نہ کہا کہ

کہتے کہتے وہ رک گئے کیوں ہیں
بات ہی کچھ حجاب کی سی ہے

مختصراً میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ بشیر احمد صاحب کے کلام میں قارئین کو میرؔ کا عکس ملے گا تو جگرؔ کی شاعری کی جھلک بھی ملے گی اور یہی دو آتشہ کلام دراصل مجھ جیسے "ناشاعر" کو شاعر نہ سہی کم از کم شعر پسند بنانے کے لئے کافی ہے ۔

احمد العماری

تعارف

میرا نام محمد بشیر الدین احمد ہے امجد تخلص اور وطن محبوب نگر۔

میرے خاندانی ادبی ماحول اور علمی فضا نے زمانۂ طالب علمی سے ہی مجھ میں ادبی ذوق کی بنیاد ڈالی۔ ابتدا میں تو مقبول اور معیاری شعرا کے کلام کا مطالعہ میری مصروفیت میں اضافہ کرتا گیا۔ آہستہ آہستہ اپنے پسندیدہ اشعار کو گنگنانے اور دوسروں کو سنانے کی مجھے عادت سی ہوگئی اور اسی عادت نے مجھے شعر گوئی کی راہ دکھادی۔

خاندانی ادبی فضاؤں اور روایتوں سے استفادہ کرتے ہوئے میں نے شعر کہنے شروع کئے۔ جب روزمرہ مشاہدات گوناگوں تجربات اور زندگی کی نشیب و فراز نے میرے تخلیقی شعور کو بیدار کیا تو میں نے شاعری کو اپنے جذبات' احساسات اور کیفیات کا وسیلۂ اظہار بنالیا۔ درحقیقت میرا کلام میری اپنی زندگی کا آئینہ دار ہے۔

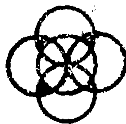
میں نے بنیادی طور پر غزل گو شاعر ہوں لیکن نعت گوئی بھی میرا شعار رہا ہے۔ قیام محبوب نگر تک وہاں کے ہر مشاعرے میں اپنے کلام کو ادب شناس سامعین کے گوش گزار کرنے کے مواقع حاصل رہے۔ جب میں محبوب نگر سے حیدرآباد منتقل ہوا تو اکثر استادان فن شاعری کی ہم نشینی کا شرف حاصل ہوا اور انہوں نے مجھے اپنے فیض سے سرفراز فرمایا جس کے نتیجہ میں میرے انداز فکر اور اسلوب کلام میں پختگی آتی گئی۔ میری شاعری میں نئے رخ نمایاں ہوتے گئے اور نئے رجحانات کے ساتھ پیرایۂ اظہار میں سادگی نغمگی اور دل پذیری پیدا ہوتی گئی۔

سیاست اور رہنمائے دکن اخبارات میں اکثر چھپتا رہا۔ ریڈیو پر نشر ہوا اور ٹی۔ وی پر بھی۔

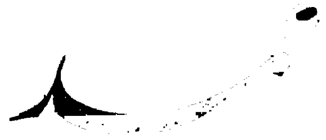
آئینہ حیات میرا تیسرا مجموعہ کلام ہے جس میں پہلے مجموعہ کلام رنگِ حیات، تصویر حیات کے کلام کے علاوہ ایسی غزلیں شامل ہیں جو پہلے مجموعات میں شریک نہ کی گئی تھیں اس مجموعہ کی بعض تخلیقات ادبی رسائل، سیاست، رہنمائے دکن اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔

آخر میں ان تمام احباب کا فرداً فرداً شکر گذار ہوں جنہوں نے اس سلسلہ پر ہر طرح ہاتھ بٹایا۔

محمد بشیر الدین احمد امجد



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



نوازش سے تیری بنا یہ جہاں ہے
ہر اک چیز سے تیری قدرت عیاں ہے

خطا کار بھی تیرے رطب اللساں ہیں
ترا نام ہر وقت وردِ زباں ہے

ترا درد نس نس میں میری بسا ہے
مرے دل کے اندر بھی تو ہی نہاں ہے

تو ہر جا ہے پنہاں، نمایاں نہیں ہے
دکھائی ذرا دے، تو آخر کہاں ہے

جہاں ڈھونڈ ڈالا، نظر تو نہ آیا
پریشان دل ہے، تو قاصرِ زباں ہے

کبھی تو ملے دِل کو امجد کے تسکیں
یہی آرزو، اُس کے دِل میں نہاں ہے

نعت شریف

پریشاں دل ہوں بلا لو محمدؐ
میری زندگی کو سنبھالو محمدؐ

بھٹکتا رہے یہ گنہگار کب تک
نگاہِ کرم مجھ پہ ڈالو محمدؐ

زمیں راس مجھ کو تو آئی نہیں ہے
مجھے اپنے قدموں میں پالو محمدؐ

نہیں چین دل کو تڑپ کھا گئی ہے
بلائیں میرے سر سے ٹالو محمدؐ

تصور میں تم ہو، نگاہوں میں تم ہو
تمہیں میری حسرت نکالو محمدؐ

یہ دوری تمہاری غضب ڈھا رہی ہے،
مجھے اپنے در پر بلالو محمدؐ

گنہگار امجدؔ کھڑا دیر سے ہے
برا ہو، بھلا ہو بچالو محمدؐ

نعت شریف

دِل منوّر، آنکھ روشن اور سویرا ہوگیا
آپ کیا آئے، خدا کا بول بالا ہوگیا

آپ کی تبلیغ دیں اور آپ کا ہر معجزہ
کافروں کے واسطے تو اک تماشہ ہوگیا

جب صدا اللہ اکبر کی لگی تھی گونجنے
سارے عالم میں تو بس اک شور برپا ہوگیا

تھی جہالت کی جہاں پر حکمرانی روز و شب
جیسے جیسے دین پھیلا، حق کا چرچا ہوگیا

کون ہے امجد جہاں میں جس کو یہ رُتبہ مِلا
مُصطفےٰ کے نام کا دُنیا میں چرچا ہوگیا

نعتِ شریف

محمدؐ کا روضہ نظر میں بسا ہے — یہ تیرا کرم ہے یہ تیری عطا ہے
جو نورِ محمد وہ نورِ خدا ہے — عجب شان ہے یہ عجب ماجرا ہے
جو طیبہ کو جا کر کبھی لوٹ آیا — سمجھ لو کہ جنت کا اسکو مزا ہے
دُرود و سلام آگیا جس زباں پر — مقدر میں ہی اسکے سب کچھ لکھا ہے
قیامت کے دن سے پریشاں نہ ہونا — شفاعت کا حضرت نے وعدہ کیا ہے
جو شیدا ہے ان کا اسی کی ہے جنت — صراحت سے قرآن میں یہ لکھا ہے
محمدؐ کا ایک امتی ہوں میں یا ربّ — میں بندہ ہوں تیرا تو میرا خدا ہے
ترے بھید کو ہے سمجھنا ہی مشکل — زباں پہ میری صرف تیری ثنا ہے

زمانہ ڈرا تا ہے بیکار امجد
کہ آقا کی ہم پہ ہمیشہ عطا ہے

نعت شریف

مدینے کے داتا کرم کی نظر ہو
درِ پاک پر میری شام و سحر ہو

خدایا پلٹ دے مقدر کو میرے
کہ حسرت ہو پوری دعا میں اثر ہو

فضا ہے مکدر ستم اوج پر ہے
اگر آپ چاہیں خوشی سے بسر ہو

عجب حال میں آج مومن گھرے ہیں
مصیبت زدہ ہیں کرم کی نظر ہو

جگہ اور کوئی بھی بھاتی نہیں ہے
بلا لو مدینہ وہیں میرا گھر ہو

یہی اک خلش ہے جو تڑپا رہی ہے
دعاؤں میں امجدؔ کی کچھ تو اثر ہو

نعتِ شریف

رخِ روشن اپنا دکھادو محمدؐ
ہر اک غم زدہ کو ہنسادو محمدؐ

مجھے جامِ الفت پلادو محمدؐ
مرے ہوش سارے اڑادو محمدؐ

تڑپ دل کی بجھتی نہیں ہے ہماری
بلا کر تڑپ یہ مٹادو محمدؐ

تمہارے قدم کی ہیں دھول پیاری
وہی راہ ہم کو دکھادو محمدؐ

ہے کشتی یہاں مومنوں کی بھنور میں
ذرا پار اس کو لگادو محمدؐ

نہ باقی رہے کفر کا کوئی سایہ
جو ہے کفر سارا مٹادو محمدؐ

گنہگار امجد کی یہ التجا ہے
کہ جنت میں اسکو جگہ دو محمدؐ

نعت شریف

کفر دُنیا سے مٹانے کے لئے آپ آئے
راستہ نیک دکھانے کے لئے آپ آئے

کُفر کیا چیز ہے، ایمان کسے کہتے ہیں
دین کے آداب سکھانے کے لئے آپ آئے

اس جہاں میں کوئی چھوٹا نہ بڑا ہے کوئی
فرق آپس کا مٹانے کے لئے آپ آئے

ایک طوفانِ جہالت نے ستم ڈھایا تھا
ڈوبتی ناؤ بچانے کے لئے آپ آئے

بیر ذہنوں میں کچھ اس طرح سے معمور رہا
آپسی میل بڑھانے کے لئے آپ آئے

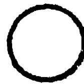
ساری اُمت پہ گناہوں نے کیا تھا قبضہ
راہ پر سب کو ہی لانے کے لئے آپ آئے

چار سو صرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا جہاں
روشنی بن کے زمانے کے لئے آپ آئے

جہل و ظلمت کی ہر اک سمت گھٹا چھائی تھی
سب خرافات مٹانے کے لئے آپ آئے

اک نظر آپ کی امجدؔ پہ بھی ہو جائے حضور
سب کی بگڑی ہی بنانے کے لئے آپ آئے

نعت شریف



مجھے روشنی کی ضرورت ہے مولا
بلا لو مدینے کو حسرت ہے مولا

عجب کشمکش میں ہے دین متیں یہ
فقط آپ کی اب ضرورت ہے مولا

یہ فرسودہ دنیا، تباہی کی منزل
مجھے آپ ہی سے محبت ہے مولا

ہر اک کی نظر میں بسے آپ ہی ہیں
بڑی آپ کی دھوم شہرت ہے مولا

ہے وردِ زباں میرے نامِ محمدؐ
محمدؐ سے الفت عقیدت ہے مولا

جہاں بن گیا ہے گناہوں کا مرکز
سنبھل جائے گر یہ تو قدرت ہے مولا

کرم کی ذرا بھیک امجد کو دیدو
کہ حد درجہ اسکو محبت ہے مولا



یوں خود کو انقلاب کے سانچے میں ڈھالئے
اپنے ہوں یا ہوں غیر، سبھی کو سنبھالئے

مجبوریاں کچھ ایسی تھیں، اظہارِ حال میں
کتنے ہی غم زمانے کے دل نے چھپا لئے

خاموشیوں سے آتے ہیں دل میں کئی خیال
کہنا ہے جو بھی آپ کو وہ کہہ بھی ڈالئے

گزری کہانیوں کے اعادہ سے فائدہ
حالاتِ زندگی کو، ذرا تو سنبھالئے

اکثر، ہجومِ درد میں ہم اپنے حال پر
آنسو بہا لئے، تو کبھی مسکرا لئے

کھُل جاتے دوسروں پہ خود آپ کا بھرم
بازار میں کسی کو نہ اتنا اچھالئے

امجد نہیں بھروسے کے قابل یہ زندگی
جو کام آج کا ہے، وہ کل پر نہ ٹالئے



دِل کے زخموں کو سلیقے سے سجائے رکھنا
ہُوک اُٹھتی ہے تو سینے میں دبائے رکھنا

وقت پھر وقت ہے کرنا ہے ہمیں قدر اُسکی
وقت کو اپنے گلے سے ہی لگائے رکھنا

حادثوں کا تو فقط کام ہے پیچھا کرنا
حادثوں سے تو تم، اپنے کو بچائے رکھنا

آج شاید ہے یہی اپنی متاعِ ہستی
دل کی بستی جو اُجڑ جائے بسائے رکھنا

برق ہر حال یہاں آکے رہے گی اِک دِن
اس لیئے اپنے نشیمن کو سجائے رکھنا

اِس نئے دَور کا انداز عجب ہے امجد
کوئی دُشمن ہے اگر اپنا بنائے رکھنا



ساری خوشیاں لٹ گئیں، پرچھائیاں باقی رہیں
بے بسی ناکامیاں، بے تابیاں باقی رہیں

تجھ سے مِل کر کیا مِلا، رسوائیاں باقی رہیں
ہر طرح سے مٹے کٹھنائیاں باقی رہیں

زندگی کا دور گزرا، کتنی مایوسی کے ساتھ
میرے ساتھ اب، میری ہی تنہائیاں باقی رہیں

کب کے گلچیں نے چمن ویران کر کے رکھ دیا
رنگِ گل ایسا اُڑا، ویرانیاں باقی رہیں

ہر قدم پر حادثے، رسوائیاں، ناکامیاں
زندگی کے نام پر، بربادیاں باقی رہیں

جن کو تھا نام و نمود اور اپنی دولت پر گھمنڈ
سب بھرم جاتا رہا، رسوائیاں باقی رہیں

جاتے جاتے زندگی کی وہ ہر اک شئے لے گئے
دل میں یادوں کی فقط، پرچھائیاں باقی رہیں

عمر ساری عشق میں کھو کر بھی امجد کیا مِلا
ہر طرح سے لٹ گئے، رسوائیاں باقی رہیں



گھبراؤ نہ دُنیا سے، جینا ہی اگر ٹھیرا
دو جام چڑھا لینا، ایسا ہی اگر ٹھیرا

کیوں یاد دِلاتے ہو، بیتی ہوئی باتوں کو
سہہ لینا ہی بہتر ہے، سہنا ہی اگر ٹھیرا

ہر آہ مجھے دے دو، ہر غم بھی مجھے دے دو
رِستے ہوئے زخموں کو، سینا ہی اگر ٹھیرا

در در کے بھٹکنے سے ایک در سے رکھو نسبت
اِک در سے سکوں پاؤ، جینا ہی اگر ٹھیرا

گلشن سے نکل جانا بہتر ہمیں لگتا ہے
ویرانے ہیں جب ہم کو، رہنا ہی اگر ٹھیرا

صد چاک ہوا سینہ، ہونے لگے خشک آنسو
کیا لطف ہے جینے میں، مرنا ہی اگر ٹھیرا

معلوم نہ تھا امجد، پینے کا مزہ ہم کو
لو جام اُٹھاتے ہیں، پینا ہی اگر ٹھیرا



ہیں نشہ میں سب مست اس زندگی کے
نہیں کوئی قابل، تری بندگی کے

خدارا چلے آؤ، اک بار آخر
کہ مہمان ہیں ہم، گھڑی دو گھڑی کے

ہر اک غم اسی آس پر سہہ رہے ہیں
ملیں گے ہمیں بھی، کبھی دن خوشی کے

کبھی مسکرانا، کبھی روٹھ جانا
میں قربان ہو جاؤں اس سادگی کے

تمہاری عنایت کی بس اک نظر ہو
لگاتا ہوں چکر، تمہاری گلی کے

اگر ہو نگاہِ کرم، ان کی ہم پر
تو گزریں گے راحت سے دن زندگی کے

نہ بوئے وفا ہے نہ الفت ہے امجد
بڑے ہی عجیب لوگ ہیں اس صدی کے



عشق ہے پُر شباب کیا معنی　　حُسن ہے بے نقاب کیا معنی

دیکھ کر اُن کے رُوئے زیبا کو　　چھُپ گیا آفتاب کیا معنی

جام پر جام ساقیا دیدے　　میکشی کا حساب کیا معنی

آشیانہ بنا ہے مشکل سے　　بجلیوں کا عذاب کیا معنی

جو بھی کرنا ہے آج ہی کر لو　　حشر کے دن حساب کیا معنی

ہر بلا اپنے ساتھ رہ کر بھی　　ہم ہیں خانہ خراب کیا معنی

ڈال کر خار ہر قدم پہ مرے　　روٹھتے ہیں جناب کیا معنی

پتیاں پھُول کی ورق بہ ورق　　دیتے ہیں وہ کتاب کیا معنی

غم کے ہوتے ہوئے بھی اے امجدؔ
زیست میری عذاب کیا معنی



آج مجھ کو بُلا لیا ہوتا　　میکدے کو سجا لیا ہوتا

کون کہتا ہے تو نہیں میرا　　مجھ کو اپنا بنا لیا ہوتا

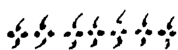
اتفاقاً جو ہو گیا مدہوش　　ہوش میں مجھ کو لا لیا ہوتا

اُس کی ہستی بڑی مقدس ہے　　میں نے کاش اُس کو پا لیا ہوتا

جب تھے آثار صاف لُٹنے کے　　کارواں کو بچا لیا ہوتا

تیرے دیدار کی تمنّا تھی　　رُخ سے پردہ ہٹا لیا ہوتا

کب تلک دل میں یہ کسک امجدؔ
قصۂ غم سُنا لیا ہوتا



آپ بیتی میں سُناؤں کیسے
چیر کر دل کو دکھاؤں کیسے
راز کو راز ہی رکھنا ہے مجھے
بند مٹھی کو بتاؤں کیسے

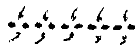
بیاباں میں رہ کر بھی مسرور ہیں ہم
ترا نام لے کر ہی مخمور ہیں ہم

یہ شکوے، گلے، چھوڑ دینا ہے بہتر
روایاتِ کہنہ میں محصور ہیں ہم

نہ طے کر سکے دوستوں کے مراحل
اگر بے وفا تم تو، مغرور ہیں ہم

تری چاہ میں ہو گئے اتنے رسوا
زمانے کے ہاتھوں سے رنجور ہیں ہم

یہ کہہ دو، ذرا جا کے امجد سے آنا
بھلے یا بُرے، پھر بھی مجبور ہیں ہم



نیکی کرنا بڑی عبادت ہے
درد بھی بانٹنا بڑی شرافت ہے
گر نہ امجد سمجھ سکا خود کو
بد نصیبی ہے اور ہزیمت ہے

تو مجھ سے غیر سہی پھر بھی آشنائی ہے
قدم قدم پہ مجھے، تیری یاد آئی ہے

نہ جانے کون سی منزل پہ آکے ٹھہرا ہوں
ہر اک گام پہ احساسِ نارسائی ہے

تمہارے غم نے ہی بخشا ہے کچھ سکون مجھے
پھر اک بار نئی زندگی دلائی ہے

ہیں پھول خشک، مگر ہے شباب کانٹوں پر
بڑی عجیب چمن میں بہار آئی ہے

جو ظرف کہتے ہیں امجدؔ اسی کو کہتے ہیں
ہجومِ غم میں مری زیست مسکرائی ہے

قطعہ

آکاش پہ تاروں کو چمکتے دیکھا
گلزار میں پھولوں کو مہکتے دیکھا
کیا شان ہے اے خالقِ عالم تیری
ذرات کو صحرا میں دمکتے دیکھا



بنا کر ہم نشیمن اپنا جب مغرور ہوتے ہیں
جلا کر اُس کو اہلِ گلستاں مسرور ہوتے ہیں

نہ جانے کونسی دُھن میں یہ چھائی بے خیالی ہے
بتاؤ کس لیئے وہ اسقدر رنجور ہوتے ہیں

ہمارے میکدے میں کام ہے پینے پلانے کا
تبھی تو آکے زاہد بھی یہاں مخمور ہوتے ہیں

نگاہوں نے تمہاری، اسقدر ہم کو جِلا بخشی
ہمارے دیدہ و دل نور سے معمور ہوتے ہیں

نہ جانے پھر رہا ہوں غم اُٹھائے کتنی صدیوں کا
کہ دل کے زخم بڑھتے بڑھتے خود ناسور ہوتے ہیں

کرشمہ اُن کی آنکھوں کا نظر آتا ہے اب ہم کو
کبھی مدہوش ہوتے ہیں کبھی مخمور ہوتے ہیں

وصال اُن کا یہاں امجد عجب ہم کو نظر آیا
ہمارے پاس رہ کر بھی وہ اکثر دور ہوتے ہیں



دل میں سوئی ہوئی یادوں کو جگانا ہوگا
جا کے اِک بار اُنھیں پھر سے منانا ہوگا

ایسے موتی کے بڑے دام ہوا کرتے ہیں
اشک ڈھلتے ہیں تو دامن میں چھپانا ہوگا

تنگ دامانی کا احساس نہ ہونے پائے
سیر ہونے کے لئے جام پلانا ہوگا

کیا بھروسہ وہ پسِ مرگ بھی آئیں کہ نہیں
اپنے ہی دوش پہ لاش اپنی اُٹھانا ہوگا

برق سے دوستی، یہ کیسے بھلا ممکن ہے
دوستی ہو تو، نشیمن کو سجانا ہوگا

تیری قدرت کے کرشمے ہی نرالے ٹھہرے
آج جو آتا ہے، پھر کل اُسے جانا ہوگا

ظلم ہو یا ہو کرم، جو ہو نوازش اُس کی
لاکھ الزام سہی، پھر بھی نبھانا ہوگا

کب تلک غیر کی چاہت پہ رہوگے راغب
کھنچ کے ہر حال میں سرکار کو آنا ہوگا

ہیں تو پابند مگر، کیا کریں مجبوری ہے
عید کا روز ہے، جام آج اُٹھانا ہوگا

ہجر کی شب کا مزہ، جب ہی ملے گا امجد
صورتِ شمع تمہیں، دِل کو جلانا ہوگا



قطعہ

تیری یادوں کو لے کر جی رہا ہوں
میں اپنا چاک دامن سی رہا ہوں
مجھے عادت نہیں ہے جام و مے کی
تیری آنکھوں سے جی بھر پی رہا ہوں



دل کی خلش ہی آج ہے سامانِ زندگی
پورے ہوں کس طرح سے اب ارمانِ زندگی

ماضی کا دور آج خلش بن کے رہ گیا
باقی کہاں ہے اگلی سی وہ شانِ زندگی

ویسے بھی مجھ کو خوف، اجل کا نہیں رہا
سچ پوچھئے تو آپ ہی ہیں جانِ زندگی

ہم انقلاب وقت میں سب کچھ بھلا چکے
اب ہے ترا خیال نگہبانِ زندگی

جب آپ کی ہی مجھ پہ عنایت نہیں رہی
پھر کیا کروں میں لے کے یہ سامانِ زندگی

اکمل عجیب حال میں کٹتی ہے آج کل
سادہ سا اک ورق ہے یہ دیوانِ زندگی



جو بات دل میں تھی وہ ہر اک تک چلی گئی
تعریف بزمِ غیر میں اُن کی سُنی گئی

کیا خاک ہوش اب مجھے آئے گا ساقیا
ہے وہ شرابِ ناب جو آنکھوں سے پی گئی

وابستگی کہیں کہ اسے سادگی کہیں
اوروں کی داستان بھی میری کہی گئی

دِل بھی گیا، جگر بھی گیا، کیا ہوا نہ پوچھ
تیری گلی میں عشق کی عِزّت چلی گئی

سارا جہاں محوِ تماشا تھا دوستو
اِک بدنصیب لاش جو عُریاں چلی گئی

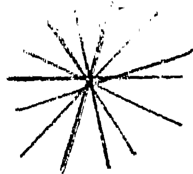
تہمت کے ڈر سے خود کو چھپاتا پڑا مجھے
اہلِ جہاں کی مجھ سے جو دل بستگی گئی



ہر ہر ادا نے آپ کی ڈھایا ہے یہ ستم
ہر ہر قدم پہ آپ کی تصویر لی گئی!

شکوہ ہے کس سے اور گلہ کس سے ہم کریں
بے کیف زندگی جو ازل سے لکھی گئی

اب تک نشہ ہے کیف کا ساماں ہے ابھی
امجد تمہارے ساتھ جو کل رات پی گئی



قطعہ

لے ہاتھ میں اب ساغر لینا ہی اگر ٹھیرا
کیا سوچتا ہے ناداں جینا ہی اگر ٹھیرا

گھبرا نہ کبھی امجد دنیا کی نگاہوں سے
زخموں کو اگر دل کے سینا ہی اگر ٹھیرا



ہوئے ہیں وہ پیدا جفا کے لئے
ہم اک رہ گئے ہیں وفا کے لئے

خطاوار ہیں، ہم کو ہے اعتراف
ہیں تیار ہر اک سزا کے لئے

نہیں ہے شکایت کسی اور سے
اِدھر بھی نظر ہو خدا کے لئے

پس مرگ اس کو جو آیا خیال
اُٹھے ہاتھ اپنے دعا کے لئے

کرم آپ کا مجھ پہ ہے اس قدر
نہیں فکر کوئی جزا کے لئے

ہر اک چیز فانی ہے امجدؔ یہاں
بقا صرف ذاتِ خدا کے لئے



ساقی کی شان دیکھ کے نیت بدل گئی
ہم پی گئے کچھ اتنی کہ حسرت نکل گئی

مدہوش رہ کے ہوش کا سامان کر دیا
بوتل ہمارے ہاتھ سے گر کر سنبھل گئی

بیمارِ غم ہوں آپ کی پرسش کا شکریہ
آئے جو آپ پھر مری حالت بدل گئی

افکارِ زندگی نے کہیں کا نہیں رکھا
جو کچھ تھی اپنے دل میں تمنا نکل گئی

میں غرق ہو گیا ہوں کسی کے فراق میں
رفتارِ زندگی بھی نئی چال چل گئی

دانستہ میں نے دل کو جلایا ہے دوستو
اس دل کی روشنی سے تو بجلی بھی جل گئی

امجد میں غم کی حد سے بھی آگے نکل گیا
یوں زندگی بھی، موت کے سانچے میں ڈھل گئی



کیوں سر پہ میرے آج یہ الزام آگیا
اُٹھ کر تمہاری بزم سے ناکام آگیا

انجام میرا، تیری محبت میں یہ ہوا
تیری گلی سے آج میں بدنام آگیا

جس نے کیا قصور، مزے میں وہی رہا
میں بے قصور تھا، مگر الزام آگیا

ساقی ترا کرم ہی نہ سمجھوں میں کیوں اسے
میں میکدے سے بارہا ناکام آگیا

انسان کے روپ میں ہے فرشتہ مرے لیے
مشکل میں جو بھی دوست مرے کام آگیا

اک میں نہیں ہوں آپ بھی شامل ہیں میرے ساتھ
دونوں کے سر ہی، پیار کا الزام آگیا

آواز دے نہ اب کوئی امجد کو پھر کبھی
سنتے ہیں اس کو موت کا پیغام آگیا



عاشقوں میں جو اپنا نام نہیں
صبح اپنی نہیں ہے شام نہیں

ہم نے ساقی کی آنکھ سے پی لی
جام و مینا سے کوئی کام نہیں

جانتا ہوں میں، روٹھنا اُن کا
بے رُخی ہے یہ انتقام نہیں

کِس نے ساغر اٹھا کے پھینک دیا
میکدے کا یہ احترام نہیں

سارے میخوار ہو گئے مدہوش
میرے حصّے میں کوئی جام نہیں

آج تک بات یہ کھٹکتی ہے
ان سے ملنے کا اہتمام نہیں

ساری دنیا کے کام آتا ہے!
پھر بھی امجد کا آج نام نہیں



نِگاہیں تمہاری ہمارے لئے ہیں
غمِ دل نے بس یہ سہارے لئے ہیں

حقیقت میں کشتی ہوئی نذرِ طوفاں
تصوّر میں ہم نے کنارے لئے ہیں

بھٹکتے رہے ہم تلاشِ سکوں میں
تری زلف کے اب سہارے لئے ہیں

نشیمن جلایا ہے، ہاتھوں سے اپنے
بھلا برق سے کب شرارے لئے ہیں

خوشی تو مقدر تھی اوروں کی یارو
مگر غم ہی غم، بس ہمارے لیئے ہیں

بڑا لطف آتا ہے اب ہم کو آجکل
کسی کی نظر سے نظارے لئے ہیں



تھکا راہ رو، جب رہِ عشق چل کر
تو کچھ دیر بیٹھا، چلا پھر سنبھل کر

جنوں بڑھ گیا جب دلِ مضطرب کا
چلا سوئے ویرانہ، گھر سے نکل کر

کسی نے نہ دیکھا انھیں مُسکراتے
وہ آئے چمن میں کچھ ایسے نکل کر

کرشمہ تھا یہ بھی مقدّر کا اپنے!
مِلی اپنی منزل، ذرا دُور چل کر

انھیں کیا ڈرائے گا اے آسماں تو
کٹی عمر جن کی مصائب میں پل کر



بس اک آرزو تھی تجھے دیکھنے کی
بہت ہم نے ڈھونڈا، ہر اک راہ چل کر

ترے ہجر میں دل تڑپتا ہے اب بھی
ہوئے دن اگرچہ، یہ غم سر سے ٹل کر

نہ کی قدر امجد کی اہلِ جہاں نے
کریں گے اُسے یاد، خود ہاتھ مل کر

قطعہ

بگڑنا تو آیا سنورنا نہ آیا
ہنسی اور خوشی سے گزرنا نہ آیا

ہر الزام اپنے پہ لیتے رہے ہم
کسی پر بھی الزام دھرنا نہ آیا



ہواؤں کا رُخ اب بدلنے لگا ہے
اُمیدوں کا سورج نکلنے لگا ہے

کئی بار ہم نے بنایا نشیمن
مگر وہ تو ہر آن جلنے لگا ہے

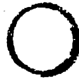
چمن کے نگہباں پریشاں بہت ہیں
اب اُس کا تو ہر گوشہ کھلنے لگا ہے

نظامِ خرد ہے ترقی پر ایسا
کہ یہ اب تو سانچوں میں ڈھلنے لگا ہے

محبت نہیں تو اسے کیا کہیں گے
کہ رُخ اس نظر کا بدلنے لگا ہے

تیرے میکدہ میں کمی کا تصوّر
نہ جانے یہ کیوں دل میں پلنے لگا ہے

نہ جانے ہے کوئی، یہ امجد کا عالم
وہ آغوشِ غم میں جو پلنے لگا ہے



دو چار گھونٹ پی گئے، میخوار بن گئے
ساقی کے فیض خاص سے سرشار بن گئے

دیکھا تھا میکدے میں جنھیں بارہا مگر
اب وہ لباسِ تقویٰ میں دیندار بن گئے

دیوانگی کی جن کی تھی شہرت گلی گلی
کیا جانے کیسے، صاحبِ اسرار بن گئے

دیکھا جو حال خستگی و بیکسی میرا
اپنے تو اپنے غیر بھی غمخوار بن گئے

نسلِ بشر میں فرق کوئی ظاہرا نہیں
لیکن جنوں زدہ کئی ہشیار بن گئے

یارانِ خود غرض کی جونہی ان پہ زد پڑی
جو مست خواب ناز تھے بیدار بن گئے

محتاط حرفِ زر میں جو ہیں وہ امیر ہیں
امجد جو اس سے ہٹ گئے نادار بن گئے



ہم آج زمانے سے یوں گھبرانے لگے ہیں
وہ آنے لگے ہیں، نہ تو ہم جانے لگے ہیں

ایسی تو کوئی بات نہیں حُسن میں لیکن!
سُنتے ہیں کہ وہ حُسن پہ اترانے لگے ہیں

ویرانے میں یارو، گُل و گلزار کی باتیں
ویرانے ہر اک حال میں ویرانے لگے ہیں

اظہارِ محبت نہ ہوا، اُن کی زباں سے
یہ بات الگ ہے کہ وہ شرمانے لگے ہیں

اُلفت تھی، محبت تھی، بڑی چاہ تھی مجھ سے
کیا بات ہے اب وہ مجھے تڑپانے لگے ہیں

بہتر ہے کہ پردے سے تو باہر ہی نہ آئے
بے ساختہ پیچھے ترے دیوانے لگے ہیں

پینا ہے تو پی لیجئے اب شوق سے امجد
زاہد کو مگر کس لئے بہکانے لگے ہیں

نہ وہ چمن ہے، نہ پہلا سا باغباں ہے یہاں
جدھر بھی دیکھیے چھایا ہوا دھواں ہے یہاں

تم ایک بار جو آؤ تو، دیکھ پاؤ گے
مرے خلوص و محبت کا اک نشاں ہے یہاں

یہ اور بات ہے، محفل میں ہیں شریک سبھی
حضور کون بھلا، کس پہ مہرباں ہے یہاں

یہ دیکھنا ہے عبادت کا رنگ کیا ہوگا
سرِ نیاز ہے اور تیرا آستاں ہے یہاں

چلے بھی آؤ کبھی بھول کر تو بہتر ہے
گلی کے موڑ پہ اپنا بھی اک مکاں ہے یہاں

میں تھک گیا ہوں بہت حوصلے بھی پست ہوئے
کہ زد میں برق کی پھر، مرا آشیاں ہے یہاں

اِسے میں حادثہ سمجھوں کہ اک غلط فہمی
سوائے آپ کے ہر شخص بدگماں ہے یہاں

ان آفتوں نے تو بے حال کر دیا امجد
خدائے پاک ہی اب، میرا پاسباں ہے یہاں



آپ جو میرے پاس ہوتے ہیں
دل میں کیا کیا قیاس ہوتے ہیں

میرا رونا تو عمر بھر کا ہے
آپ بھی کیوں اُداس ہوتے ہیں

اُن کے وعدوں کا کیا بھروسہ ہے
کہیں وعدے بھی راس ہوتے ہیں

ہجر کی شب کا غم نہیں ہم کو
غم ہمارے اساس ہوتے ہیں

جب بھی ہوتا ہے سامنا اُن کا
وہ بڑے بدحواس ہوتے ہیں

دوستوں سے جو ربط بڑھتا ہے
سارے دشمن اُداس ہوتے ہیں

وقت آتا ہے جب بُرا ہم پر
دوست بھی ناشناس ہوتے ہیں

میں مناتا ہوں پیار سے امجد
جب کبھی وہ اُداس ہوتے ہیں



ترا نام وردِ زباں ہے مرے
بتا اے صنم تو کہاں ہے مرے

جسے تو نے اپنا بنا کر رکھا
وہی نقش دل میں نہاں ہے مرے

بتا دو مجھے تم بتا دو ذرا
یہ کیوں فاصلہ درمیاں ہے مرے

جسے ڈھونڈتا تھا زمانے میں میں
وہی آج نزدیک جاں ہے مرے

ذرا ہاتھ سینے پہ رکھّو یہاں
کہو زخم دل پر کہاں ہے مرے

زمانے میں امجد اکیلا نہیں
سدا ساتھ اک کارواں ہے مرے

۵۲



ہم نے کی ہے دشمنی سے دوستی
دور رہ کر بے کلی سے دوستی

پیرہن تک ہو گیا ہے تار تار
پھر بھی کی ہے زندگی سے دوستی

راہ میں آنے لگے جب حادثے
ہو گئی پھر بندگی سے دوستی

راز کیا ہے یہ بتا سکتے نہیں
بڑھ گئی ہے اجنبی سے دوستی

غم کے طوفاں سر پہ جب آنے لگے
ہو گئی ہے مے کشی سے دوستی

اپنے اور غیروں سے کچھ مطلب نہیں
ہم نے کی ہے ہر کسی سے دوستی

حُسن کی انگڑائیوں کا شکریہ
عشق کی ہے اِک کلی سے دوستی

ہو گئے امجد اندھیروں سے الگ
آج کی ہے روشنی سے دوستی



نفرت سی ہوگئی ہے جو سنسار سے مجھے
لگنے لگے ہیں اب سبھی بیزار سے مجھے

کیا بات ہے بتا دے تو اب مجھ کو صاف صاف
محروم کر دیا ہے جو دیدار سے مجھے

پتھر بنا دیا ہے مصائب نے اس قدر
ملنے لگی خوشی ہر اک آزار سے مجھے

اب کیا سوال جیتے جی آرام چین کا
بے چین کر گیا ہے کوئی پیار سے مجھے

دامن میں اُس کے میں نے گزاری ہے زندگی
اُلفت ہے اس چمن کے گل و خار سے مجھے

دے دے کے زخم اپنوں نے رنجور کر دیا
ملنے لگا سکون اب اغیار سے مجھے

کیا جانے کون آگیا امجد کی بزم میں
آتے نظر سبھی ہیں، ہوشیار سے مجھے



ہے کبھی پاس میرے کبھی دور ہے
یوں خیالوں میں میرے وہ محصور ہے

شیشۂ دِل مرا درد سے چور ہے
آپ بھی دیکھیے کتنا مجبور ہے

اس قدر زخم احباب نے دیدیئے
دل ہے باقی کہاں صرف ناسور ہے

اتنی حرص و ہوس بھی تو اچھی نہیں
لے بھی لو، جتنا مالک کو منظور ہے

اُن کی چشمِ کرم ہم پہ ہوتی نہیں
بس ستم مجھ پہ ڈھانا ہی دستور ہے

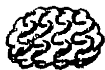
ساقیا تیری آنکھوں کا جادو ہے یہ
تِشنہ لب جو بھی تھا، آج مخمور ہے



ایک خلش ہے جو دِل سے نکلتی نہیں
کون ہے جو مرے دِل پہ مامُور ہے

آپ آئیں تو شاید بنے کوئی بات
راہ مشکل ہے ، منزل بہت دُور ہے

اِن بہاروں سے امجد ہمیں کیا مِلا
جب چمن کا چمن آج رنجُور ہے



قطعہ

آئینہ راز بتا دیتا ہے
جیسی صورت ہے دکھا دیتا ہے
رنگ تم لاکھ بدل لو امجد
اصلیت سامنے لا دیتا ہے



غمِ زندگی کا مزہ اور ہی ہے
مِری چاہتوں کی سزا اور ہی ہے

میں بیمارِ اُلفت ہوں آکر تو دیکھو
مرے دردِ دل کی دوا اور ہی ہے

سکون چین شاید میسّر ہے تم کو
سُنو میرے پیچھے بلا اور ہی ہے

زمانے کے تیور بہت ہم نے دیکھے
مگر تیری پیاری ادا اور ہی ہے

نہیں غم کہ تم میرے دِل میں نہ آئے
مرا تم سے لیکن گلہ اور ہی ہے

تمہاری خوشی ہو مبارک تمہیں کو
مرا غم بھی حد سے سوا اور ہی ہے

سرِ راہ پینا نہیں ٹھیک امجد
تمہارے لئے میکدہ اور ہی ہے



نگاہیں ملیں بس یہی یاد ہے
نہ ساتھی ہے کوئی، نہ دل شاد ہے

یہ سارے ترانے محبت کے ہیں
نہ زورِ زباں ہے نہ کچھ یاد ہے

کہاں تک سہیں گے جفاؤں کو ہم
سُنی اور نہ دیکھی یہ روداد ہے

بھلاؤں گا میں تجھ کو یہ ممکن نہیں
ہمیشہ ہمیشہ تِری یاد ہے

گُلوں کو مسلنے سے کیا فائدہ
ارے باغباں تجھ سے فریاد ہے

کِسی اور شئے کی ضرورت نہیں
ترے غم سے، دِل میرا آباد ہے

ہے مے خانہ، امجدؔ ذرا سوچ کے
یہاں جو بھی آیا، وہ برباد ہے



مرا دل ہے سرشار اُس کی نظر سے
کہ جیسے منوّر جہاں ہے قمر سے

مصائب کچھ اس طرح ٹکرائے سر سے
ہوئے شعر میرے یہ خونِ جگر سے

نہ آیا کوئی بھی لگانے کو مرہم
اُٹھی لاش میری یہ غیروں کے گھر سے

گنہگار ہوں، پھر بھی تجھ سے ہے نسبت
بچا مجھ کو مولا تو دنیا کے شر سے

مہکنے لگی ہے کدھر سے یہ خوشبو
گزرتا ہے دلبر ہمارا ادھر سے

نہیں کوئی لذّت زمانے میں مجھ کو
ہوا آج محروم میں بال و پر سے

گنہگار امجد پہ چشمِ کرم ہو
بچا اس کو مولا تو ہر بد نظر سے



چھٹکے ہوئے تاروں میں قمر دیکھتے ہوتے
اخلاص و محبت کا اثر دیکھتے ہوتے

فرقت کا ہماری تو بُرا حال تھا لوگو!
دیکھا نہ گیا ہم سے مگر دیکھتے ہوتے

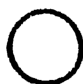
اصلاح کی باتوں پہ نہیں دھیان کسی کا
انسانوں میں شیطاں کا اثر دیکھتے ہوتے

وہ آئیں گے، آنے کی خبر گرم بہت ہے
مایوسیوں میں، راہ گزر دیکھتے ہوتے

جب وقت نے جکڑا ہمیں زنجیر جفا میں
آئینے میں ہم دیدۂ تر دیکھتے ہوتے

دِل شب کی سیاہی پہ بہاتا رہا آنسو
آنکھوں میں خود، انوارِ سحر دیکھتے ہوتے

پردیس میں کیا گزری یہ مت پوچھیے امجد
نظروں میں سدا، اپنا ہی گھر دیکھتے ہوتے



یاد رہتا ہے سدا دل کو جلانے والا
ظلم کر کے بھی اِک احسان جتانے والا

سینکڑوں مِلتے ہیں دنیا میں رُلانے والے
میں نے دیکھا نہیں کوئی بھی ہنسانے والا

میکدے کا ہے بھرم تجھ سے ہی باقی ساقی
مفت کب ملتی ہے اور کون پلانے والا

تھک کے اُٹھتی ہیں نگاہیں تیری جانب یارب
تجھ سے نسبت ہے مجھے تو ہی جگانے والا

غیر تو غیر رہے دوست بھی اپنے نہ رہے
کون آئیگا مری لاش اٹھانے والا

کون کہتا ہے خوشی ساتھ رہے گی ہردم
غم سلامت رہے ساتھ اپنا نبھانے والا

زندگی اپنی تو آہوں میں ہی گذری امجد
جو بھی ملتا ہے غمِ زیست بڑھانے والا



دریائے محبت کا کنارا نہیں ملتا
روٹھی ہوئی قسمت کو سہارا نہیں ملتا

ہر گام پہ دھوکے تو زمانے میں بہت ہیں
حق بات کا بہتا ہوا دھارا نہیں ملتا

آفات و مصائب میں بہر حال ہے جینا
تسکین کا آنکھوں کو نظارا نہیں ملتا

مِل جاتا ہے اکثر ہمیں غیروں کا سہارا
اپنوں کا جہاں ہم کو سہارا نہیں ملتا

پہچان لے جو دل کے مرے زخم اُبھرتے
ایسا تو کوئی درد کا مارا نہیں ملتا

کہلائیں ترے بس یہی ارمان ہے دِل میں
آنکھوں کا تری ایسا اِشارا نہیں ملتا

دُنیا ہے یہ امجدؔ، یہاں راحت کا زمانہ
اِک بار جو مِل جائے دوبارا نہیں ملتا



کیا کیا جتن نہیں کئے اپنانے آپ کو
خود کو بھی ہم بھلا چکے بہلانے آپ کو

روٹھے ہوئے ہیں آپ تو کچھ فکر بھی نہیں
دل کو جلا رہا ہوں میں سمجھانے آپ کو

دھوکے میں آپ آئیں نہ ہرگز کسی کے کبھی
گھیرے ہوئے رقیب ہیں بہکانے آپ کو

جس کو چھپا رکھا تھا وہ سب راز کھل گیا
دنیا سنا رہی ہے، اب افسانے آپ کو

عشاق جان دینے سے کرتے نہیں گریز
پیغام دے رہے ہیں یہ پروانے آپ کو

سمجھے تھے جس کو اپنا، اب اپنا نہیں رہا
امجد کوئی نہ آئے گا سمجھانے آپ کو



اس طرح سے بس اپنی گزر ہو گئی
ان کی امید پر ہی بسر ہو گئی

ہائے کیسی کٹی ہے شبِ وصل بھی
بجھ گئی شمعِ دل، بس سحر ہو گئی

وہ پسِ پردہ چھُپنے کے عادی ہوئے
میرے آنے کی جب بھی خبر ہو گئی

موت منڈلا رہی ہے مرے سامنے
زندگی میری جانے کدھر ہو گئی

میں خطاوار ہرگز نہیں تھا مگر
یہ بلا غیر کی اپنے سر ہو گئی

آپ آئے نہیں، اس کا کچھ غم نہیں
ہاں یہ غم ہے کہ شب مختصر ہو گئی

لوگ امجد مجھے جانتے ہیں بہت
میری رسوائی جب دربدر ہو گئی



رسمِ اُلفت بھی اِک تماشا ہے
دوریاں ہوں تو پیار بڑھتا ہے

بولتا ہے جو عشق کا جادُو
تب کہیں جا کے دل یہ ہلتا ہے

درد میں ڈوب جاؤ تم اتنا
جیسے پروانہ جل کے مرتا ہے

اِک فریبِ نظر ہے یہ دُنیا
عمر گھٹتی ہے سایہ ڈھلتا ہے

شب کا مہمان رات کا پانی
کب کسی کے ٹلائے ٹلتا ہے

جب ہے دونوں کی ایک ہی منزل
کیوں وہ پھر دُور دُور چلتا ہے

وقت کے ساتھ تم چلو امجد
کام ورنہ ہر اک بگڑتا ہے



تم اہلِ چمن کو اب اتنا بتادو
گنہ گار ہوں میں تو مجھ کو سزا دو

تمہاری نظر سے بچا ہے نہ کوئی
ہٹادو نقاب اپنا بجلی گرادو

چلے آئے ہیں شیخ جی میکدے میں
بھٹکنے سے پہلے انھیں بھی پلادو

کرو تم نہ پروا زمانے کی ہرگز
تمہیں جو بھی کرنا ہے کرکے دکھادو

گنہ گار ہو تم، یہی مصلحت ہے
خدا جو بھی پوچھے تو گردن جھکادو

غمِ زندگی کا جو اظہار ہوگا
فقط داستاں میری ان کو سنادو

کبھی راہِ حق میں نہ جھکنا تم امجد
پڑے وقت تو اپنے سر کو کٹادو

اُلفت کی کہانی ہے تشہیر کی باتیں ہیں
ہر اِک کی زباں پر یہ تحریر کی باتیں ہیں

ہر گام پہ ناکامی، ہر گام پہ مایوسی
تدبیر تو کی لیکن تقدیر کی باتیں ہیں

کچھ بات ہی ایسی تھی، خاموش رہے وہ بھی
توقیر نہ کی اُس نے تحقیر کی باتیں ہیں

حالاتِ زمانہ نے کس حال پہ لا چھوڑا
ثابت نہ رہا یہ دِل تخمیر کی باتیں ہیں

مانا کہ بڑا دِل ہے اور ہاتھ بھی لمبے ہیں
ہاتھوں میں نہیں پیسہ، تقدیر کی باتیں ہیں

تعمیل میں قاصد نے خط لا کے دیا ہم کو
اُس نے جو لکھا ہم کو تقدیر کی باتیں ہیں

خالِ رخِ زیبا سے بڑھتی ہی گئی رونق
لو دیکھ لو آئینہ، تنویر کی باتیں ہیں

احباب کی محفل میں امجد کی یہ خاموشی
کاکُل کے تصور میں دلگیر کی باتیں ہیں

چاہت میں اُن کی جب سے دُنیا بدل گئی ہے
خاموش دِل میں میرے چنگاری جل گئی ہے

ویسے تو ہر بلا نے پیچھا کیا ہے میرا
سر سے میرے بلا خود آ آ کے ٹل گئی ہے

ناحق کسی کی فرقت تڑپا رہی ہے ہم کو
کہتے ہیں چیخ منہ سے اپنے نکل گئی ہے

بربادیوں کا غم ہی کھاتا رہا تھا ہم کو
پائی خبر جو اس کی حالت سنبھل گئی ہے

چلمن اُٹھا کے اُس نے دیکھا جو ہم کو لوگو
اس نامراد، دل کی نیت بدل گئی ہے

احساسِ بے خودی نے کیا حال کر دیا ہے
اِک آہ تھی جو دِل سے میرے نِکل گئی ہے

کیا کیا نہ گُل کھلائے دُنیا نے کیا بتائیں
دونوں کی زندگی کے رستے بدل گئی ہے

امجد کی زِندگی کا افسانہ اسقدر ہے
خوشیوں کی زندگانی اشکوں میں ڈھل گئی ہے

مطلب نہیں ہے مجھ کو جہاں کے نظام سے
سرشار ہو گیا ہوں فقط تیرے نام سے

ایسا سمجھ میں آتا ہے دِل کے پیام سے
کوئی بلا رہا ہے مجھے تیرے نام سے

یہ بارگاہِ حُسن ہے اتنا رہے خیال
آنا ہے تم کو آؤ، مگر احترام سے

دُنیا کے اژدہام سے رشتہ نہیں مرا
رشتہ ہے تجھ سے اور ترے لُطفِ عام سے

یہ شانِ میکدہ ہے کہ سب ہوش کھو چکے
غم دُور کرنے آئے جو میخوار شام سے

محفل میں رنگ تم نے کچھ ایسا جما دیا
محظوظ ہو رہے ہیں تمہارے کلام سے

نفرت کو ترک کر کے ہی اُلفت بڑھایئے
اُلفت کا ہے مقام، پیام و سلام سے

فضل و کرم سے تیرے، ہے امجد سکون میں
اُس کو غرض نہیں ہے کوئی خاص و عام سے



ہے مختصر سی زیست لٹاؤ شباب کو
شرم و حیا یہ کیسی، ہٹاؤ حجاب کو

کم سن ہو، ناتواں ہو، اُبھرتا شباب ہے
تم اسقدر نہ جلد، اُٹھاؤ نقاب کو

جس نے بتائی زندگی یادوں میں آپ کی
رسوا نہ کیجیے اُسی خانہ خراب کو

توبہ کے بعد بھی نہ چھُٹا جام ہاتھ سے
دیکھا جو جام، دیتا ہوں دعوت عذاب کو

مَیں، اور ان کے حُسن کی تعریف کر سکوں
آئینہ کیا دکھاؤں، بھلا آفتاب کو

اِک بار اُس کی آنکھ سے پی لوں تو دیکھنا
میں عمر بھر نہ دیکھوں پلٹ کر شراب کو

اہلِ نظر کے سامنے امجد کا ہے مقام
بے شک، ہر ایک جانتا ہے آب و تاب کو



تیری معصوم نگاہوں میں فسوں ملتا ہے
کیا دھڑکتے ہوئے دل کو بھی سکوں ملتا ہے

کبھی روٹھا ہوا ملتا ہے، تو ہنس ہنس کے کبھی
مجھ سے ملنے کو بہر حال، وہ یوں ملتا ہے

ان کے وعدوں کے بھروسہ پہ جیا کرتے ہیں
ان کی جانب سے فقط سوزِ دردِل ملتا ہے

رنج و آلام نے اس طرح کمر توڑی ہے
درد اے دوست فقط اتنا کہوں ملتا ہے

میرے اللہ ہو کبھی مجھ پہ عنایت کی نظر
غم جو پیتا ہوں تو، کچھ چین سکوں ملتا ہے

سینچنا اس قدر آسان نہیں ہے لوگو!
اس چمن کو ذرا دیکھو، میرا خوں ملتا ہے

کوسنا ٹھیک نہیں نسبت کو ہرگز امجد
مر بھی جائیں گے تو کیا خاک سکوں ملتا ہے

۷۱



باتوں باتوں میں مر گیا کوئی
اپنے کیا کام کر گیا کوئی

ہم سے سرزد ہوئی نہ کوئی خطا
مفت الزام دھر گیا کوئی

وقت نے اسقدر دیئے صدمے
پاس آنے کو ڈر گیا کوئی

اک بار اس نے کیا نظر ڈالی
جیتے جی ہائے مر گیا کوئی

عزم راسخ جو ساتھ رہا
کام اپنا تو کر گیا کوئی

موت کا انتظار ہو نہ سکا
خود ہی تھک کے مر گیا کوئی

آنکھ کیا بند ہو گئی اپنی
موت کا نام دھر گیا کوئی

بات کیا ایسی کوئی تھی امجد
میرے دل سے اتر گیا کوئی



بدلی تری نظر تو زمانہ بدل گیا
ہر ذرۂ چمن کا ترانہ بدل گیا

باقی نہیں ہے اب کوئی میدانِ عشق میں
تیر و کمان کا بھی نشانہ بدل گیا

نظروں سے دُور دُور، خیالوں سے دُور دُور
اب کس سے دل لگائیں ٹھکانہ بدل گیا

رنگینیاں خیال کی ہونے لگی ہیں گُم
پل بھر کی دیر تھی کہ فسانہ بدل گیا

پلکوں سے ڈھل کے آنسو جو دامن پہ رک گئے
ظالم کا مجھ سے دل کا لگانا بدل گیا

پہلا سا آج بھیک کا انداز بھی نہیں
طرزِ سوال تھا جو پُرانا بدل گیا

شاید یہی خیال ستائے گا عمر بھر
امجدؔ کی زندگی کا ٹھکانہ بدل گیا



چلا آرہا ہے وہ کروٹ بدل کے
اُٹھا ہے وہ انساں گر کے سنبھل کے

سُنا جب سے اپنا چمن لٹ گیا ہے
چلے ریگ زاروں میں گھر سے نکل کے

کسی نے نہ دیکھا انھیں مُسکراتے
کچھ اس طرح آئے وہ آہستہ چل کے

عنایت تھی تیری، ترا فضل ہی تھا
ہوا قرب اس کا ذرا دُور چل کے

ہمیں کیا ڈرائے گا اے آسماں تو
گزارے ہیں دن ہم نے آفت میں پل کے

بس اِک آرزو تھی تجھے دیکھنے کی
تڑپتے رہے روز کروٹ بدل کے

مقدّر کے ہیں سارے یہ کھیل امجد
گزارے ہیں، دن ہم نے بس ہاتھ مل کے



شبِ ہجر کا غم مِٹا ہے بھلا
رُکانے سے یہ غم رُکا ہے بھلا
ہزاروں نے چاہا کہ پائیں اُسے
مگر وہ کسی کو مِلا ہے بھلا
خرد مند ہو یا اسیرِ جنوں
ترے ظلم سے کب بچا ہے بھلا
بڑا جان لیوا تھا تیرِ نظر
ہوا جو بھی گھائل اٹھا ہے بھلا
یہ سر میرے مالک ہے تیرے لئے
کسی در پہ یہ کب جھکا ہے بھلا
مقدّر کا لکھّا تو مِٹتا نہیں
ہوئی لاکھ کوشش مٹا ہے بھلا
ذرا تو بھی امجد کو اتنا بتا
ترے در سے کوئی اٹھا ہے بھلا



عمر یوں تشنہ کام گزرے ہے
صبح بھی مثلِ شام گزرے ہے

پاس آتا ہے اس طرح جیسے
لے کے وہ انتقام گزرے ہے

اُس کے چہرے سے ایسا لگتا ہے
کام کر کے تمام گزرے ہے

گلستاں میں بہار آتی ہے
جب وہ مست خرام گزرے ہے

وہ تو مسرور اپنے گھر میں ہے
ہر بلا اپنے نام گزرے ہے

جب بھی آیا اُسے خیال اپنا
لے کے وہ میرا نام گزرے ہے

جھوم اُٹھتے ہیں رند سب امجدؔ
جب نگاہوں سے جام گزرے ہے



درد اوروں کا کوئی کیا جانے
جس پہ گزری وہی تو پہچانے

جب سے دیکھا ہے روئے زیبا کو
مست دیے خود ہوئے ہیں پروانے

ہوش میں پھر سے آگیا بیمار
کون ہے چارہ گر خدا جانے

عمر اُن کے خیال میں گزری
اور وہ عمر بھر تھے بیگانے

کچھ تو سودا ہو عاقبت کا بھی
بھر گئے زندگی کے پیمانے

وہ ہیں امجد سدا گلستاں میں
اپنی قسمت میں صرف ویرانے

سازِ دل چھیڑ کے نغمات سناتا جاؤں
غم کے سوئے ہوئے جذبوں کو جگاتا جاؤں

میں جو پیتا ہوں وہی سب کو پلاتا جاؤں
دوریاں ہیں جو دلوں میں وہ مٹاتا جاؤں

اُس سے امید وفا فعل عبث لگتا ہے
رسمِ اُلفت کو بہر حال نبھاتا جاؤں

دوست کو بڑھ کے میں سینے سے لگاتا ہوں مگر
کیوں نہ دشمن سے بھی میں پیار بڑھاتا جاؤں

اُن کی مرضی ہے، وہ چاہیں کہ نہ چاہیں مجھ کو
پھر بھی میں یاد انہیں اپنی دلاتا جاؤں

جام اگر تو نہیں دیتا، تو مجھے دے ساقی
تشنہ لب جلتے ہیں، میں پیاس بجھاتا جاؤں

اب یہی شکل تسلی کی نظر آتی ہے
اپنے ہر زخم کو ناسور بناتا جاؤں

زخمِ دل اپنے، میں کس کس کو دکھاؤں امجدؔ
درد اٹھتا ہے جو سینے میں دباتا جاؤں



خلوص و محبّت کا اِظہار ہے
عجب تیری رغبت عجب پیار ہے

محبّت نہیں ہے یہ تکرار ہے
تباہی کی منزل کا اقرار ہے

ترا بجھتا بجھتا جو کردار ہے
تو پھر تیرا جینا ہی بیکار ہے

عجب پیچ و خم تیری زلفوں کے ہیں
جسے دیکھیئے وہ گرفتار ہے

زمیں آسماں اور یہ جن و بشر
سوائے تیرے کون مختار ہے

مسرت ہمیں راس کیا آئے گی
فقط زندگی اپنی آزار ہے

سدا تجھ کو رہنا نہیں ہے یہاں
یہ لذّت جہاں کی تو بیکار ہے

ہر اک حادثہ ہمسفر ہو گیا
خبر ہے ہمیں راہ پُر خار ہے

کبھی روٹی روزی کا ہو انتظام
زمیں پر بھی کیا ایسی سرکار ہے

اگر پینا چاہے تو دے ساقیا
بتا کیوں تو امجدؔ سے بیزار ہے

یادوں کی تیری دل میں بسی انجمن رہے
تیرے خیال سے میرا یہ دل مگن رہے

باقی مرے نصیب میں دل کی گھٹن رہے
پھولوں میں کس طرح سے سدا یہ چلن رہے

خوشیوں نے ساتھ چھوڑا ہے، مدت گزر گئی
کھانے کو غم ملا ہے تو غم میں مگن رہے

سینے میں درد جو بھی ہے، لذت سے کم نہیں
ماتھے پہ میرے روز نئی اک شکن رہے

جو دور یا قریب سے گزرے یہ زندگی
حصے میں میرے دوست یہ خاکِ وطن رہے

اس سے غرض نہیں ہے کہ رہتا ہے تو کہاں
ہر سانس میں بسی تری بوئے بدن رہے

فرقہ پرستی دور ہو، آپس میں ہو خلوص
آباد میرے دیس کا باقی چمن رہے

خونِ جگر سے سینچا ہے جس کو سلیم نے
امجد مری دعا ہے یہ بزمِ سخن رہے



زندگی کا ادھورا سفر ہو گیا
رنج و غم میں ہر اک دن بسر ہو گیا

راہِ اُلفت میں صدمے ہی سہتے رہے
کون جانے وہ کیوں بے خبر ہو گیا

کیسے کہہ دوں کہ وہ میرا طالب نہیں
پڑھ لیا خط کو اور نوحہ گر ہو گیا

ہائے دل، میرا دل، جانے کیا بات تھی
دل کا ٹکڑا ہر اک منتشر ہو گیا

بال بکھرے ہوئے آنکھیں پُرنم سی ہیں
میری یادوں کا شاید اثر ہو گیا

اک تماشہ سا تھا، آشیاں پر میرے
شرم سے برق کا خم جو سر ہو گیا

اُس نے پھیر لی تھا منہ اسقدر بات تھی
قصہ غم مرا مختصر ہوگیا

حُسن کا جب سے جادو چلا عشق پر
عشق خود حُسن کا چارہ گر ہوگیا

وقت سے پہلے آ کے چل خزاں آگئی
خونِ ناحق کا شاید اثر ہوگیا

٭٭٭



غمِ عاشقی کا مزا آ گیا
نگاہیں ملیں تو وہ شرما گیا

تغافل تمہارا غضب ڈھا گیا
مرے دل کو ہر وقت تڑپا گیا

لبِ بام جلوہ دِکھا کر کوئی
محبت کی دُنیا کو گرما گیا

گزر اُس کا جب بھی اِدھر سے ہوا
فضاؤں میں امرت سا برسا گیا

اُجالوں کے بدلے اندھیرے ملے
مقدر میں جو تھا وہی پا گیا

محبت میں رسوائیاں بھی تو ہیں
بتا کِس لئے اتنا گھبرا گیا

چلو آج امجدؔ کو راحت ملی
کہ ہاتھوں میں اب اُس کے جام آ گیا



نیا ہم اک ترانہ ڈھونڈ لیں گے
محبت کا فسانہ ڈھونڈ لیں گے

زمانے بھر کی ویرانی سے ڈر کر
چمن کا پھر زمانہ ڈھونڈ لیں گے

جلاتا ہو جلا دے برق ہم کو
نیا اِک آشیانہ ڈھونڈ لیں گے

وہ برہم ہے تو برہم رہنے دیجیے
کہ پھر اِک شاخسانہ ڈھونڈ لیں گے

کوئی سایہ نہ پیچھا کرنے پائے
کچھ ایسا ہی ٹھکانہ ڈھونڈ لیں گے

انھیں آنے دو نظروں کے مقابل
تو پھر مِلنا مِلانا ڈھونڈ لیں گے

اگر بھولے سے وہ دیکھیں گے ہم کو
تو مِلنے کا بہانہ ڈھونڈ لیں گے

کہاں تک تلخیوں کا ساتھ امجد
مزاج عاشقانہ ڈھونڈ لیں گے



اب دِل کو چین ہے نہ جگر کو قرار ہے
ٹوٹا ہوا ہر ایک، میرے دل کا تار ہے

اب کس میں ہے مجال کہ سمجھا سکے ہمیں
اب تو خیالِ یار بھی بیگانہ وار ہے

یہ زندگی میں کیسے نشیب و فراز ہیں
کوئی تو ہنس رہا ہے، کوئی اشکبار ہے

میں ہوں خزاں رسیدہ مجھے کوئی غم نہیں
تیرے نصیب میں تو نسیم بہار ہے

میری تباہیوں کا اگر تجھ کو غم نہیں
کیوں تیری آنکھ میرے لئے اشکبار ہے

اب تیری بے وفائی کا رکھنا ہے یوں بھرم
ہونٹوں پہ ہے ہنسی تو یہ دل اشکبار ہے

میدانِ آرزو میں بڑے کامراں رہے
لیکن یہ زندگی میں تو امجدؔ کی ہار ہے



شب و روز دل میرا جلتا رہا ہے
وفاؤں کا مجھ کو صِلہ یہ مِلا ہے
وفا سے بھی دلکش تمہاری جفا ہے
یہی اِک غمِ زندگی کی دوا ہے
نہ جانے وہ کیوں مجھ سے آخر خفا ہے
الٰہی بتا تو یہ کیا ماجرا ہے
نہ اُس نے بھُلایا، نہ میں نے بھُلایا
عجب ربط ہے یہ، عجب رابطہ ہے
نہ دن میں سکوں ہے نہ ہے چین شب کو
میرے پیچھے آخر یہ کیسی بلا ہے
خوشی مل بھی جائے تو میں خوش نہیں ہوں
سدا غم میں جینا مِرا حوصلہ ہے



کبھی دِل جلانا، کبھی منہ چھُپانا
جفا اس سے اچھی اگر یہ وفا ہے

ترے حُسن کا ہے یہ شاید کرشمہ
مرے دل میں جو ایک طوفان اٹھا ہے

کسی کے تجسّس میں جیتا ہوں آجکل
کسی کا نہ مِلنا بھی اِک حادثہ ہے

* * *



غم کے ماروں کی زندگی کیا ہے
ایسے لوگوں سے دوستی کیا ہے

درد اُٹھتا ہے آہ بھرتے ہیں
ہو کے واقف یہ بے رُخی کیا ہے

کب تلک اس طرح سے گزرے گی
عمر ساری یہ بے کلی کیا ہے

درد کے ساتھ یہ دوا کیسی
بندہ پرور یہ سادگی کیا ہے

تیرا مے خانہ اور خالی جام
میکشوں میں یہ تشنگی کیا ہے

لمحہ لمحہ عذاب میں گزری
میرے مالک یہ زندگی کیا ہے

کون غم دے گیا تجھے امجد
تیرے دامن میں یہ نمی کیا ہے



محبت سے تم کو جو ہم دیکھتے ہیں
زمیں پر ہی باغِ ارم دیکھتے ہیں

کھلا راز گر تو کہاں لطفِ الفت
غمِ عاشقی کا بھرم دیکھتے ہیں

ملیں جب سے نظریں قیامت ہے برپا
مقدر کی زلفوں میں خم دیکھتے ہیں

جو فرقت کی شب تھی کٹی اس طرح سے
ستم بھی بشکلِ کرم دیکھتے ہیں

محبت کی دنیا کا جذبہ یہی ہے
کہ ہر اک کے دامن کو نم دیکھتے ہیں

کریں کس سے شکوہ یہی ہے مقدر
شرابِ محبت کو کم دیکھتے ہیں

اُدھر ناز ہے، حسن پر ان کو لیکن
اِدھر عشق کا، ہم بھرم دیکھتے ہیں

عجب حادثے ہیں زمانے میں امجد
یہ حد نظر ہم، جو غم دیکھتے ہیں



تم سے باقی ہے روشنی اپنی

ورنہ کیا ہے یہ زندگی اپنی

ہر گھڑی بن گئی ہے اک محشر

زندگی بھر ہے بے کلی اپنی

کیا سندیسہ تمہیں میں بھجواؤں

روتے روتے ہی کٹ گئی اپنی

جب سے چاہت بدل گئی اُسکی

آہ وزاری میں کٹ گئی اپنی

مسکرا دو جو ایک بار بھی تم

پھر سے آجائے روشنی اپنی

اس کی معصوم نظروں کے صدقے

جس نے لوٹی ہے زندگی اپنی



میری نظروں میں جھانک کر دیکھو
اِک حسیں چیز کھو گئی اپنی

جیسے جیسے وہ دُور ہوتے ہیں
بڑھتی جاتی ہے تشنگی اپنی

دیر سے ہی، سہی مگر امجد
رنگ لائی ہے دل لگی اپنی

٭٭٭



وفاؤں کے بدلے جفائیں مِلی ہیں
محبت میں کیا کیا سزائیں ملی ہیں

نگاہِ کرم آپ کی غیر پر ہے
اِدھر بس ہماری خطائیں مِلی ہیں

وہ زُلفوں کے بادل میں پُرنور مکھڑا
اندھیرے میں رنگین فضائیں ملی ہیں

مرا دل تو اب میرے بس میں نہیں ہے
کہ جب سے تمہاری ادائیں مِلی ہیں

ستم، آہ، آفت، مصیبت، بلائیں
یہاں تک تو اِن کی عطائیں ملی ہیں

شب و روز مشکل سے کٹتی ہے اپنی
نہ جانے یہ کس کی دُعائیں مِلی ہیں

خُدارا مجھے کوئی ہرگز نہ چھیڑے
کہ زُلفوں کی اُن کی گھٹائیں ملی ہیں

دیا اُس نے کیسا صِلہ ہم کو امجد
کہ ساری کی ساری بلائیں مِلی ہیں



پیار میں غم بھی چھپا ہوتا ہے
داغ سینے سے لگا ہوتا ہے
نہ کرو فکر ہمارے غم کی
دردِ دل بڑھ کے دوا ہوتا ہے
اختلافات دِلی سے بے شک
خونی رشتہ بھی کٹا ہوتا ہے
گر ہو مقصد سے محبّت تجھ کو
عزم ہی راہ نما ہوتا ہے
جان دیدے جو رہِ اُلفت میں
فرض عاشق کا ادا ہوتا ہے
آفتوں میں کوئی ہمدرد کہاں
اپنا سایہ بھی جدا ہوتا ہے
گر ہوں ناراض، وہ تجھ سے امجد
ہر عمل تیرا بُرا ہوتا ہے



رنگِ گلزار سے دِل بہلاؤ
گُل نہیں خار سے دِل بہلاؤ

اُن سے امید وفا بھی کب تک
آؤ اغیار سے دِل بہلاؤ

نیچی نظروں میں چھُپا ہے سب کچھ
زُلفِ خمدار سے دِل بہلاؤ

ان کی باہوں کا سہارا لے لو
حُسنِ رخسار سے دِل بہلاؤ

دِل جلے یا کہ جگر پھٹ جائے
اُن کی گفتار سے دِل بہلاؤ

آؤ آکر مری حالت دیکھو
چشمِ خوں بار سے دل بہلاؤ

ہائے نفرت یہ کہاں تک امجد
آؤ اب پیار سے دِل بہلاؤ

تمہارا ہر اک گام پر کیوں ستم ہے
سنبھالا ہے غم میں یہ دل کا کرم ہے

بھنور میں تھی کشتی، بڑی کشمکش تھی
لگی جو کنارے یہ تیرا کرم ہے

یہ چاہت ہے کیسی، یہ اُلفت ہے کیسی
ہر اک کا ہے دعویٰ، یہ میرا صنم ہے

کچھ احساس اُن کو بھی ہونے لگا ہے
یہی پیار ہے، اُن کی گردن جو خم ہے

دمِ نزع ہم مُسکراتے رہے تھے
بتاؤ کہ کیوں آپ کی چشم نم ہے

ہمیں لا کے چھوڑا فلک سے زمیں پر
کسے دوش دیں یہ بھی اُن کا کرم ہے

زمانے نے اتنا ستایا ہے ہم کو
بظاہر ہنسی ہے، مگر آنکھ نم ہے

زمانے کو اُس نے بھلا تو دیا ہے
مگر آج تک اُس کو امجد کا غم ہے



اُس سے ملنے کا بہانا چاہیئے
اب تو شاید ہم کو جانا چاہیئے

تشنہ لب ہو یا کوئی مخمور ہو
رِند ہیں جتنے پلانا چاہیئے

اب حقائق کو سمجھتا کون ہے
اہلِ دُنیا کو فسانا چاہیئے

سوچ کر ہی آپ تک ہم آئے ہیں
دِل میں جو آئے سُنانا چاہیئے

بات ابھی یہ سمجھ میں آ گئی
تیرے آگے سر جھکانا چاہیئے

کیا وہ جانے درد کہتے ہیں کِسے
داغ اب دِل کے دکھانا چاہیئے

موت ہم کو چاہیئے تیری اماں
زیست کو کوئی ٹھکانا چاہیئے

دربدر اچھا یہ ٹھوکر کب تلک
سوچ کر دِل کو لگانا چاہیئے

دردِ پنہاں کی دوا کیا ہے بتائے کوئی
اِس شب و روز کی آفت سے بچائے کوئی

راس آئی نہ مجھے، عشق و محبت کی فضا
داستانِ رہِ اُلفت نہ سُنائے کوئی

آتشِ ہجر میں تپ کر ہے زباں خشک مری
اب سکوں بخش مئے وصل پِلائے کوئی

کوچۂ یار میں جانا ہے بہر حال مجھے
ناتوانی ہے، سہارے سے چلائے کوئی

اپنی نادانی نے مجھ کو، نہ کہیں کا رکھا
کِس طرح اس کی تلافی ہو بتائے کوئی

بزمِ پر جہل کی تاریک فضا چھائی ہے
عِلم و دانِش کا چراغ، اب تو جلائے کوئی

خود غرض لوگوں کی آوازوں سے دِل بے کل ہے
سازِ اخلاص و محبت کا بجائے کوئی

ملنے والوں سے، یہ امجد کی دِلی خواہش ہے
جو مِری ذات میں خامی ہے بتائے کوئی



جامِ اُلفت پلا دیا ہوتا
اپنے دل میں بسا دیا ہوتا
ہم کو تم نے ہنسا دیا ہوتا
دِل کا ہر غم مِٹا دیا ہوتا

جو سفینہ گھرا ہے طوفاں میں
پار اس کو لگا دیا ہوتا
ایک ان کے سکوں کی خاطر
اپنا سب کچھ لُٹا دیا ہوتا
کاش رُخ سے نقاب سرکا کر
اپنا جلوہ دکھا دیا ہوتا

آزمائش میری اگر ٹھیری
مجھ کو پھانسی چڑھا دیا ہوتا

لے کے دل کیوں وہ ہوگئے خاموش
کچھ نہ کچھ تو لیا دیا ہوتا

جب وہ باقی نہیں رہا اپنا
اُس کو دِل سے بھلا دیا ہوتا

کیوں بھٹکتے ہو دربدر امجد
سر کسی جا جھکا دیا ہوتا

۞۞۞



چراغِ محبت، جلانے سے حاصل
نیا روگ دِل کو لگانے سے حاصل

اندھیرے جہاں کے ذرا دُور کر دو
نقابوں میں چہرہ چھپانے سے حاصل

کرو کچھ تو، پھل تم کو اُس کا ملے گا
شب و روز آنسو بہانے سے حاصل

اے نادان انسان ذرا سوچ لے تو
ہوا آج تک کیا، زمانے سے حاصل

تڑپ بجلیوں کی ترے سامنے ہے
بنا کر نشیمن، جلانے سے حاصل

نظر کوئی آتا نہیں آج ایسا
کسی سے بھی اب دل لگانے سے حاصل

تری بے وفائی کا انعام یہ ہے
تجھے زخم دل کے دکھانے سے حاصل

مقدّر کی گردش میں امجد گھرا ہے
ابھی اور اس کو ستانے سے حاصل



درد جب بڑھ کے صدا دیتا ہے
ضبط کرنا بھی مزا دیتا ہے

زندگی کیا ہے سمجھنے کے لئے
کروٹیں وقت سِکھا دیتا ہے

ربط جب اس سے تمہارا ہو جائے
راہ سیدھی وہ دکھا دیتا ہے

اس کی رحمت کو بھلا کیا کہیئے
سونے والے کو جگا دیتا ہے

کون سمجھے گا عطا کو اُس کی
جس کو دیتا ہے خدا دیتا ہے

ہوش میں آ کے بھی بے ہوش رہے
جب وہ نظروں سے پلا دیتا ہے

اُس کا انداز عجب ہے امجد
رنگ محفل میں جما دیتا ہے



تکبّر تم دکھا کر کیا کرو گے جہاں کو آزما کر کیا کرو گے

فریب و مکر سے ہے کون خالی محبّت تم جتا کر کیا کرو گے

تمہاری ہر ادا ہے زہر آلود بظاہر مسکرا کر کیا کرو گے

ہماری تو غموں سے دوستی ہے جفائیں تم بڑھا کر کیا کرو گے

دلِ مُردہ میں جان آتی کہاں ہے نئی محفل سجا کر کیا کرو گے

مقدّر میں کسی کے تم لکھے تھے کسی کو آزما کر کیا کرو گے

محبّت جس سے ہے تم آزما لو رقیبوں کو لڑا کر کیا کرو گے

قضا منڈلا رہی ہے آخری دم اَب آنچل کو اُٹھا کر کیا کرو گے

ملے گا کیا تمہیں اتنا بتا دو
اب امجد کو ستا کر کیا کرو گے



اب وہ چمن ہے نہ اب وہ مالی ہے
سوکھی سوکھی ہر ایک ڈالی ہے

حرفِ مطلب بیان کیسے ہو
جب مزاج آپ کا جلالی ہے

تشنگی کا بھرم رکھ اے ساقی
جام میرا ہی کب سے خالی ہے

اُس نے دیکھا، کچھ ایسی نظروں سے
ہم نے دل کی خلش چھپالی ہے

نزع کے وقت میرے پاس آکر
زندگانی میری بچالی ہے

جتنے منہ اتنی باتیں ہیں ہمدم
پھر بھی رسمِ وفا نبھالی ہے

گلشنِ دل خزاں ہوا لیکن
پھر بھی سرسبز ڈالی ڈالی ہے

مفت امجد جو ہوگئے بدنام
بات احباب نے اُچھالی ہے

آئینہ کیا دیکھنا ہے سنگ اور سر دیکھئے
اب مزاجِ وقت کیسا ہے بندہ پرور دیکھئے

بے بسی کی زندگی مایوسیوں کا سامنا
نرم و نازک ہاتھ میں اس کے ہے خنجر دیکھئے

ظاہری حالات سے اندازہ ممکن ہی نہیں
دیکھنا ہو تو، کسی کا قلبِ مضطر دیکھئے

ساری دنیا پر نظر رکھنے سے کیا مل جائیگا
دیکھنے والوں کو تو، اپنے برابر دیکھئے

شعلۂ احساس نے سب کچھ جلا کر رکھ دیا
میرے پاس اب کیا دھرا ہے یہ بھی منظر دیکھئے

جاتے جاتے ہو سکے تو اس طرف بھی اک نظر!
نام کتنے ہیں ذرا قاتل کا دفتر دیکھئے

میکدے میں ہم بھی تھے ہمراہ رندوں کے مگر
ہاتھ میں اپنے ہی آیا خالی ساغر دیکھئے

ملنے ملنے میں زمین و آسماں کا فرق ہے
ویسے ملنے کو تو وہ ملتے ہیں اکثر دیکھئے

تنکے تنکے جوڑ کر، امجدؔ بھلا اب کیا کریں
آہ و زاری میں کمی ہے زندگی بھر دیکھئے



تیری آنکھوں کا نشہ دل سے اترتا کیسے
ہو میرے درد محبت کا مداوا کیسے

حال دل کا وہ نگاہوں سے سمجھ لیتے ہیں
ان سے لفظوں میں کروں عرض تمنا کیسے

دیکھنے جس کو ترستی تھی نظر مدت سے
میرے غم خانے میں چاند آج وہ نکلا کیسے

نہ وہ تہذیب و شرافت نہ وہ اخلاص و وفا
آئے گا لوگوں کو جینے کا سلیقہ کیسے

ملنے والے سبھی ہونٹوں کی ہنسی دیکھتے ہیں
میری آہوں کی زباں کوئی سمجھتا کیسے

وہ بھی ناراض، عدو بھی ہے مخالف میرا
ان کی محفل میں میرا تذکرہ نکلا کیسے

کوئی گزرا ہے ضرور آج ادھر سے شاید
شب غم میں نظر آتا ہے اجالا کیسے

ہر زباں پر تھا میرے صبر کا چرچا لیکن
دامنِ ضبط میرے ہاتھ سے چھوٹا کیسے

کوئی صورت تو نہ تھی ترکِ ملاقات کے بعد
مجھ سے ملنے کا خیال آپ کو آیا کیسے

تم مری بزمِ تصوّر میں نہ آؤ جب تک
دُور ہو گا شبِ ہجراں کا اندھیرا کیسے

دشتِ پُر خار میں ہم ایسے گھرے ہیں امجدؔ
دیکھنا یہ ہے کہ طے ہو گا یہ رستہ کیسے

⁂ ⁂ ⁂

قطعہ

وہ گئے رونقِ حیات گئی
میری جو کچھ تھی کائنات گئی
اب سناؤ گے تم کسے امجدؔ!
جو تھی پوشیدہ دل میں بات گئی



صحرا نورد ہو گئے ہر سو بکھر گئے
تنہا وہ ہم کو چھوڑ کے جانے کدھر گئے

چھوٹا ہے جب سے ساتھ بُرا حال ہے مِرا
کس سے کہوں جو حادثے مجھ پر گزر گئے

فانی جہاں کو چھوڑنا اک دن ضرور تھا
اس گھر سے ہم نکل کے کسی اور گھر گئے

اس میں بھی مصلحت ہے خدائے کریم کی
خاموش ہم رہے، وہ ہمیں چھوڑ کر گئے

پائیں نہ پائیں ان کا پتہ اور بات ہے
ڈھونڈیں گے ہم بھی راہ وہی وہ جدھر گئے

لے کر خلوص پیار ہی جیتے رہے سدا
ہم ساتھ اپنے لے کے یہ زادِ سفر گئے

فطرت بدل سکی نہیں امجد کی دوستو
خاموش زندگی رہی اور بے ضرر گئے



خطا مجھ سے میرا نشانہ ہوا
یہی بڑھ کے آخر فسانہ ہوا

وہ سیمیں بدن اور وہ بانکی ادا
اُسے جس نے دیکھا دِوانہ ہوا

نہ جانے ہمیں کتنے مجنوں ملے
جو صحرا میں اپنا ٹِھکانہ ہوا

چمن کو جو درکار تھی روشنی
ہمارا نشیمن نشانہ ہوا

بتانا ہے راہ شرافت مجھے
مرے گھر کا بچہ سیانہ ہوا

زمانہ بھلا یاد کرتا بھی کیوں
تجھے بھول کر اک زمانہ ہوا

شبِ ہجر امجد غضب ڈھا گئی
مرا دل جلانا بہانہ ہوا



جفا پر جفا کر، ستم پر ستم کر
نہ ہو جاؤں رسوا تو اتنا کرم کر
مرا کیا ہے میں روتے روتے ہی جی لوں
مگر آنکھ اپنی، تو ہرگز نہ نم کر
نہ ڈر، ہچکچا، آگے بڑھتا چلا جا
زمانے کے آگے، تو گردن نہ خم کر
نہ رہبر نہ راہی، تو ہمراہ ہو جا
میں رہ جاؤں تنہا نہ ایسا ستم کر
میں تیرا ہوں اور تیرا ہو کر رہوں گا!
قسم ہے خدا کی، تو اتنا نہ غم کر
کبھی تو تجھے بھی ستائیں گی یادیں
نہ ڈر تو جہاں سے یہ الفت نہ کم کر
پسِ مرگ تجھ کو، لگی فکر کیا ہے
ذرا مسکرا دے، محبت نہ کم کر
زمانہ ابھی تک بہت لڑ چکا ہے
زمانے سے لڑتا ہے ہم کو بھی جم کر
ترے سامنے تیرا امجد کھڑا ہے
جو تو چاہتا ہے، خدا کی قسم کر



چلے آؤ اے جاں سرِ شام ہے
کسی اور سے تم کو کیا کام ہے

محبّت میں اکثر ہوا ہے یہی
کوئی نامور، کوئی بدنام ہے

زمانہ ہمیشہ مخالف رہا
یہی تو محبّت کا انجام ہے

ترا نام لے کر ہی پیتا ہوں میں
پلا ساقیا تو، ترا نام ہے

کرو وقت کی قدر ہر حال میں
گیا وقت جس کا وہ گمنام ہے

نگاہوں سے تو نے گرایا جسے
مصیبت میں ہے وہ تہہ دام ہے

محبت کی منزل کچھ آساں نہیں
یہاں پر تو ھر ایک بدنام ہے
جو تھا راز وہ خود بخود کھل گیا
زباں پر جو تھا وہ مرا نام ہے

کہیں بھی نہیں آج امن و اماں
زمانے میں ہر سمت کہرام ہے

ہر اک تشنہ لب مست و مسرور ہے
فقط ایک خالی مرا جام ہے

ہے دستورِ الفت ہی امجد الگ
وہی کامراں ہے جو ناکام ہے

٭٭٭



پیار کو بے نقاب ہونے دو　　حُسن کو لاجواب ہونے دو

کچھ تو لُطفِ حیات مل جائے　　زندگی پُر شباب ہونے دو

ولولے دل کے بے نقاب کرو　　اِک نیا انقلاب ہونے دو

وقت درکار ہے سنبھلنے کو　　اور اُن کا عتاب ہونے دو

مجھ کو باہوں میں نیند آئے گی　　تم مجھے محوِ خواب ہونے دو

کون مجرم ہے کون قاتِل ہے　　اپنا اپنا حساب ہونے دو

وقت تھوڑا ہے اب سحر کے لئے　　جو بھی چاہو شتاب ہونے دو

وقت آئے تو کام آئے گا　　حادثوں کا حساب ہونے دو

جِس نے تم کو خراب کر ڈالا　　اُس کا خانہ خراب ہونے دو

دو دِلوں کی ہے داستاں امجد
یادگاری کتاب ہونے دو



واردات عشق میں ایسا ہُوا ہر جگہ میرا جُنوں رُسوا ہُوا

تیری دزدیدہ نگاہوں کی قسم اِک نظر میں دل مرا شیدا ہُوا

پارسائی آپ کی ظاہر ہوئی بے سبب دنیا میں میں رُسوا ہُوا

اے شبِ تاریک بتلا صاف تو بکھرے گیسو، اُترا چہرہ کیا ہُوا

آپ کی ہم پر عنایت ہو گئی زخم دل میں اک نیا پیدا ہُوا

غم کے ماروں سے ذرا پوچھے کوئی وہ نہ آئے بزم میں تو کیا ہُوا

ہر کسی نے کچھ نہ کچھ وعدہ کیا یہ بتاؤ کون پھر اپنا ہُوا

جب کبھی ٹھنڈی ہوائیں چل پڑیں زخم ماضی کا ہر اک تازہ ہُوا

عمر جب گھٹتی گئی امجدؔ تری
اب تجھے احساس کچھ اپنا ہُوا



لمحہ لمحہ ہے بے بسی اپنی
کٹ گئی یوں ہی زندگی اپنی

چاہ سے اُن کی زندگی قائم
ورنہ کیا خاک زندگی اپنی

اپنا اپنا مقام ہے لوگو
ہے جفا ان کی بے کلی اپنی

اُن کی خوشیاں مگر سلامت ہیں
ہر گھڑی روتے کٹ گئی اپنی

اب خدا ہی بھلا کرے اس کا
جس نے لُوٹی ہے زندگی اپنی

جو بھی چاہا تھا اُس نے کر ڈالا
بات لیکن کہاں چلی اپنی

جانے کس کا کرم ہوا امجد
بڑھتی جاتی ہے بے کلی اپنی



منظور گر نہیں ہے تو مہماں نہ کیجیے
جو جل رہا ہے اس کو پریشاں نہ کیجیے

میرا یہ نغمہ آپ کو بھاتا نہیں اگر
جانے بھی دیجیے مجھے حیراں نہ کیجیے

ترکِ تعلقات کی شہرت تو ہو چکی
پھر پاس آکے مجھ کو پریشاں نہ کیجیے

جل تو رہے ہیں ہم تو غموں کے الاؤ میں
چشمِ کرم بڑھائیے حیراں نہ کیجیے

سمجھا رہی ہیں آپ کی وعدہ خلافیاں
اب اعتبارِ عمرِ گریزاں نہ کیجیے

ہر بار گل کھلانے کی عادت ہے آپ کو
برپا پھر ایک مرتبہ، طوفاں نہ کیجیے

امجد کی زندگی سے بہت کھیلتے رہے
پھر مسکرا کے اس کو پریشاں نہ کیجیے



محبت کی دنیا بسا لے گیا
وہ جاتے ہوئے ہر مزہ لے گیا

وہ آیا گیا اور کیا لے گیا
میرے دردِ دل کی دوا لے گیا

اُسے کیا ملا رہ گزر پر مری
جو آہ و بکا کی صدا لے گیا

مرے حال پر رحم آیا اُسے
وہ باہوں میں اپنی چھپا لے گیا

کوئی اجنبی مل گیا تھا اُسے
جو پیار اس کا دل میں بسا لے گیا

حیا اس کو آئی مجھے دیکھ کر
وہ ہونٹوں میں آنچل دبا لے گیا

زمانے پہ ظاہر نہ ہو رازِ دل
نگاہوں میں اُلفت چھپا لے گیا

حفاظت تو کی میں نے دل کی بہت
نہ جانے وہ کیسے چُرا لے گیا

بشیر امجد آ کر تری بزم میں
نیا درد، دل میں بسا لے گیا



خود وہ آیا بھی نہیں، پاس بلایا بھی نہیں
رسمِ الفت کو کسی طور نبھایا بھی نہیں

اُس کی تحریر سے ہونے لگا ایسا ظاہر
دل کسی اور سے ظالم نے لگایا بھی نہیں

یاد اتنا ہے کہ چار اس سے ہوئی تھیں آنکھیں
اُس کا کہنا ہے کہ دل اُس نے چُرایا بھی نہیں

ہم تو مرتے رہے ہر ایک ادا پر اُس کی
پر کوئی کام ہمارا، اُسے بھایا بھی نہیں

جب سے غیروں نے کیا ہے اُسے اپنے بس میں
میری حالت پہ ترس تک اُسے آیا بھی نہیں

دل لُٹا، جاں لُٹی، سانس بھی لینے کے لئے
کسی ٹوٹی ہوئی دیوار کا سایہ بھی نہیں

بات کس سے کریں امجد بڑی بے چینی ہے
روٹھ کر وہ جو گیا پھر کبھی آیا بھی نہیں



پھر دل میں محبت کی لگن جھانک رہی ہے
بھولی ہوئی یادوں کی چبھن جھانک رہی ہے

کھلنے لگے پھر ذہن میں ماضی کے دریچے
احساس کی ہر تازہ کرن جھانک رہی ہے

پردیس میں تنہائی کا احساس جو جاگا
ہر سانس میں اب بوئے وطن جھانک رہی ہے

محسوس ہوا ہنستے ہوئے پھولوں کو چھو کر
تپتے ہوئے زخموں کی جلن جھانک رہی ہے

شب بھر کی کہانی کا یہ انجام ہے شاید
تصویر کی آنکھوں سے تھکن جھانک رہی ہے

اِک لہر سی اٹھی ہے فضا تے دلِ دجاں میں
شاید تری خوشبوئے بدن جھانک رہی ہے

دیکھو جو اُسے دُور سے لگتا ہے کچھ ایسا
جیسے کسی سورج کی کرن جھانک رہی ہے

سہمی نظر آتی ہے فضا باغ کی امجد
کیا دامنِ صحرا کی شکن جھانک رہی ہے



فریبِ نظر بھی بڑا پُر خطر ہے
جو تلوار سے بھی بہت تیز تر ہے

نظر تو ہے سادہ مگر فتنہ گر ہے
ہماری نظر میں وہ اک جادوگر ہے

وہ آئیں نہ آئیں یہ مرضی ہے اُن کی
اب اُن پر ہمارا بھلا کیا اثر ہے

لیئے اُلجھی زلفیں کہاں جا رہے ہو
ذرا آ کے جاؤ یہ اپنا ہی گھر ہے

نگاہوں سے اُن کی نگاہیں ملی ہیں
ہماری نظر میں اب اُن کی نظر ہے

ڈرایا ہے مجھ کو ہر اک نے جہاں میں
بتاؤ بھلا اب تمہیں کس کا ڈر ہے

کسی نے نہ دیکھا تھا امجدؔ کا عالم
بڑی خستہ حالی میں شام و سحر ہے



غم کے بادل روز منڈلاتے رہے
ہر گھڑی آ آ کے ترساتے رہے

قلبِ مضطر کو سکوں ملتا کہاں
آہ و زاری میں یہ دِن جاتے رہے

حُسن کی رعنائیاں کیا خوب تھیں
گلستاں میں پھُول شرماتے رہے

وقتِ رخصت ہاتھ جب چھُٹنے لگا
آنکھ میں بس اشک ہی آتے رہے

شب کی تنہائی میں وہ جب یاد آ گئے
دِل کو ہم، ہر حال بہلاتے رہے

حسبِ وعدہ وہ کبھی آئے نہیں
پھر بھی اپنی بات منواتے رہے

بات کچھ امجد ضرور اس میں بھی تھی
دھوکے ہی دھوکے جو ہم کھاتے رہے



جب سے حاصل تیرا نظارا ہے
دِل کو ہر درد و غم گوارا ہے

آشیاں خود جلا لوں میں لیکن
بجلیوں کو کہاں گوارا ہے

دردِ دل، بے کلی، پریشانی
زِندگی کا یہی سہارا ہے

غور سے تم ذرا سنو تو سہی
دِل سے کِس نے تمہیں پکارا ہے

تیری چاہت ہے زندگی میری
ظُلم تیرا مجھے گوارا ہے

غیر کی بات چھوڑیئے صاحب
ویسے اپنوں کا کب سہارا ہے

رحم بھی کیا تمہیں نہیں آتا
کِس نے دامن بھلا پسارا ہے

جو بھی ہونا تھا، ہوگیا امجد
اب تو تم ہی مرا سہارا ہے



آسماں سے گرا دیا کس نے
اور زمیں پر بسا دیا کس نے

رُخ سے پردہ ہٹا دیا کس نے
دِل کو روشن بنا دیا کس نے

دردِ دل کا بڑھا دیا کس نے
دورِ ماضی دِکھا دیا کس نے

تھا تمہیں بیر ہی اگر مجھ سے
اپنا شیدا بنا دیا کس نے

تم تو انجان سے رہے لیکن
مجھ کو در سے اٹھا دیا کس نے

ہم تو آتے تھے بہرِ نظّارا
تیر ہم پر چلا دیا کس نے

دِل کے تاروں کو چھیڑ کر ہمدم
مجھ کو تنہا بنا دیا کس نے

برق خاموش بن کے بیٹھی ہے
آشیاں کو جلا دیا کس نے

تیری چاہت اگر نہیں ہوتی
جامِ اُلفت پلا دیا کس نے

مجھ کو دے کر خلوص کا لالچ
مخمصوں میں پھنسا دیا کس نے
مصلحت تھی جو بھول بیٹھا ہوں
ورنہ تجھ کو بھلا دیا کس نے

یادِ ماضی سے دور تھا امجدؔ
پھر نیا گل کھلا دیا کس نے

قطعہ

٭٭٭

تیری مرضی ہے تو سب کچھ ہے گوارا مجھ کو
گُلِ رعنا ہی نہیں، خار بھی پیارا مجھ کو
غم سہوں، درد سہوں، زہر ہلاہل پی لوں
اتنی حسرت ہے کہ دکھلا دے نظارا مجھ کو



رنج و الم کی بھلا انتہا بھی ہے
کیسے گزر رہی ہے، تجھے کچھ پتا بھی ہے

خوشیوں کی ساعتیں، مرے مالک نواز دے
قسمت میں میری کیا کوئی غم کے سوا بھی ہے

سورج کی روشنی، ذرا مدھم سی پڑ گئی
ایک اتفاق عمر میں ایسا ہوا بھی ہے

تم جان کر بھی مجھ کو جو انجان سے رہے
مجھ جیسا اور تم کو، کوئی دوسرا بھی ہے

اب یہ حجاب کیسا ہے، پردہ ہٹا لیجئے
رازِ و نیازِ باہمی، اپنا چھپا بھی ہے

غیروں نے شاید، آپ کو دیوانہ کر دیا
اپنوں کے چھوٹ جانے کا ویسے گلا بھی ہے

دل اور جگر کے ساتھ ہے دامن بھی چاک چاک
امجد تمہاری زیست میں کیا کچھ دھرا بھی ہے



یہ تو سب دوستوں کی محفل ہے
کیا کہوں، کون میرا قاتل ہے

زندگی کو جہاں سکون ملے
بس وہی، زندگی کی منزل ہے

آج کرنا ہے فیصلہ تم کو!
کون مجرم ہے، کون قاتل ہے

بپھرے طوفاں کو کون روکے گا
کیا ہوا، سامنے جو ساحل ہے

آدمی لغزشوں کا پُتلا ہے
کون دنیا میں اتنا کامل ہے

ٹُکڑے کر ڈالے آپ نے جس کے
جانے وہ کس غریب کا دل ہے

لوگ کچھ بھی کہیں گے امجد کو
سب کے دکھ درد میں وہ شامل ہے



مستِ انگڑائی کا ہے سارا شراب دیکھیے
ساری دنیا ہو گئی زیر و زبر اب دیکھیے

ہو گئی ہے کیا سے کیا آب و ہوائے گلستاں
ہر شجر ہونے لگا ہے بے ثمر اب دیکھیے

دل کو یہ کہہ کر تسلّی دے رہا ہوں ہر گھڑی
حسبِ وعدہ آئے گا وہ نامہ بر اب دیکھیے

ابتدائے شامِ غم تو دیکھ لی ہے آپ نے
ہونے والی کب ہے اس کی بھی سحر اب دیکھیے

آ گئی ہے آسماں کے ساتھ گردش میں زمیں
کیا خبر ہوگا کہاں اپنا بھی گھر اب دیکھیے

اُس کی دُوری نے غضب ڈھایا دلِ بیتاب پر
رنج و غم میں ہو گئی اپنی بسر اب دیکھیے

کام صبر و ضبط سے لیجیے بشیر امجد ذرا
آہی جائے گا کبھی وہ راہ پر اب دیکھیے



اقرار گر نہیں ہے تو انکار بھی نہیں
کیسے کہیں کہ ہم سے انھیں پیار بھی نہیں

ہر ہر قدم پہ اُس کی جفائیں تو ہیں مگر
کہنے کے واسطے وہ دل آزار بھی نہیں

دنیا فقط، اُمیّد پہ قائم سہی مگر
اُمّید اس سے ملنے کی دشوار بھی نہیں

اُلفت کی بات اور، ملاقات اور ہے
قسمت میں اپنی جلوۂ دیدار بھی نہیں

کیوں اُٹھ رہی ہیں مجھ پہ زمانے کی اُنگلیاں
مجھ جیسا کیا جہاں میں گنہگار بھی نہیں

بیدار پھر سے ہو گئی، گزرے دنوں کی یاد
اب اس کو بھول جانے کے آثار بھی نہیں

امجدؔ کھڑا ہوں دشتِ تمنّا کی دھوپ میں
دیوار کیا ہے، سایۂ دیوار بھی نہیں



آغاز محبت کا منظر ہی عجب دیکھا
دُزدیدہ نگاہوں کا شاید یہ سبب دیکھا

وعدے کے بھروسے پر گنتے رہے تارے ہم
منظر وہ عجب ہی تھا، جو آخر شب دیکھا

دُنیا کی نگاہوں سے کوئی نہ بچا اب تک
ملنے کا یہاں سب کے بدلا ہوا ڈھب دیکھا

ہاتھوں کی لکیروں نے ہر وقت دیا دھوکا
اُمید کوئی پوری ہوتے ہوئے کب دیکھا

اس دور میں اپنوں کی پہچان بھی مشکل ہے
اپنا جسے سمجھے تھے، اپنا اُسے کب دیکھا

اس جانِ تمنّا کی دوری کا اثر ہے یہ
عاشق کے لئے گویا مرنے کا سبب دیکھا

دِل جس کو دیا امجد رہتا ہے خیال اُس کا
دنیا سے الگ تیرا اندازِ طلب دیکھا

○

سب سوچ رہے ہیں کہ میں کیا ڈھونڈ رہا ہوں
ناکردہ گناہوں کی سزا ڈھونڈ رہا ہوں

راس آئی کسی طرح نہ بیدادِ جہاں کی
تسکینِ دل و جاں کی جگہ ڈھونڈ رہا ہوں

رکھا تھا قدم کوچۂ دلدار میں اِک دن
اُس وقت سے میں اپنا پتہ ڈھونڈ رہا ہوں

خوشبو ترے دامن کی صبا لائی کہاں سے
گزری ہے کِدھر سے، یہ صبا ڈھونڈ رہا ہوں

ہنستے ہوئے پھولوں پہ نظر میری نہیں ہے
میں تیرے تبسم کی ادا ڈھونڈ رہا ہوں

یہ غم نہیں ساغر میرے ہاتھ آئے نہ آئے
برسے گی کِدھر کالی گھٹا ڈھونڈ رہا ہوں

کچھ ڈھونڈ رہا ہوں میں، پتہ یہ نہیں امجدؔ
کیا چیز مری کھو گئی، کیا ڈھونڈ رہا ہوں

○

دل مرا درد سے، معمور ہوا جاتا ہے
زخم بڑھتے ہوئے ناسور ہوا جاتا ہے

یہ تری مست نگاہی کا کرشمہ دیکھا
بے پیئے ہر کوئی مخمور ہوا جاتا ہے

دُور سے اپنی جھلک جب وہ دکھا جاتے ہیں
دِل جو مسرور تھا، رنجور ہوا جاتا ہے

جو چلن جرم تھا، دنیا کی نظر میں کل تک
وہی اب شہر کا دستور ہوا جاتا ہے

مجھ پہ ہر طرح کا الزام لگانے والے
تو بھی اس پردے میں مشہور ہوا جاتا ہے

نور اُس برق تجلّی کا ہے جب سے دِل میں
دِل میرا جلوہ گہہ طور ہوا جاتا ہے

اس قدر دل کے قریں پاتا ہوں اُسکو امجد
جس قدر مجھ سے کوئی دور ہوا جاتا ہے



راک ظلم صبر آزما آپ کا ہے
جسے دیکھتا ہوں اسیرِ بلا ہے

مصیبت کے دن ہیں مکدّر فضا ہے
سمجھ میں یہ آتا ہے جینا سزا ہے

م و رنج دُنیا میں حد سے سوا ہے
بچا مجھ کو مولا، تو میرا خدا ہے

عجب موڑ پر گردشِ وقت لائی
کہ سارا جہاں آج چکرا گیا ہے

ہاں لوگ انسانیت ڈھونڈتے ہیں
کہاں شہر کا شہر مقتل بنا ہے

یہ معصوم دل کا مقدّر تو دیکھو
کہاں جا کے دامِ بلا میں پھنسا ہے

گلوں کے تصوّر میں خاروں کو چوما
یہی تو مقدّر میں میرے لکھا ہے

نہیں ہے کوئی مطمئن زندگی سے
زمانہ عجب کروٹیں لے رہا ہے

درا بچ کے امجدؔ گزرنا وہاں سے
دنوں بعد اس کا دریچہ کھلا ہے



شبِ غم رنگ عجب لائی ہے!
میں ہوں اور عالمِ تنہائی ہے

لوگ کہتے ہیں مزے لے لے کر
وہ تو دیوانہ ہے، سودائی ہے

اب تو دوری کا تصوّر بھی گیا
کس نے ملنے کی قسم کھائی ہے

جب سے بڑھنے لگی چاہت اُسکی
ہر جگہ میں نے جگہ پائی ہے

راستے میں کبھی مل لیتے ہیں
ہم سے اتنی تو شناسائی ہے

دیکھ کر ہوش سبھی کھو بیٹھے
کتنی چنچل تری انگڑائی ہے

لوگ کچھ بھی کہیں کہہ لینے دو
اب تو اُن سے میری بن آئی ہے

اُس پہ الزام تراشی کیسی
وہ کسی کا نہیں ہرجائی ہے

اب کہاں اُن سے ملاقات امجدؔ
یہ خبر لوگوں نے پھیلائی ہے



نہ دیجیے اور بھی تکلیفِ انتظار مجھے
میری حیات ہوئی جا رہی ہے بار مجھے

ہوا ہے جب سے کسی بے وفا سے پیار مجھے
نصیب ہو نہ سکا ایک پل قرار مجھے

تری نظر تھی کہ، جامِ شراب تھا کوئی
اُسی شراب کا ہے آج تک خمار مجھے

زباں سے نکلی تھی حق بات جرم اتنا ہے
زمانہ ہے کہ چلا لے کے سوئے دار مجھے

ترے خیال سے فرصت ہی جب نصیب نہ ہو
دکھائی دے گی کہاں رونقِ بہار مجھے

مرا فسانہ جہاں میں ابھی ادھورا ہے
غمِ حیات ذرا اور بھی نکھار مجھے

اُسے بھی دیکھوں میں مجبور اپنے دل کی طرح
کبھی تو دے میرے مالک یہ اختیار مجھے

میں ایک پل بھی تری یاد سے نہیں غافل
پکارتا ہے کسی نام سے پکار مجھے

کسی کے وعدہ و پیماں کا ذکر کیا امجد
میری حیات کا خود کیا ہے اعتبار مجھے



آنے لگی ہیں گھر کر ہر سمت سے گھٹائیں
ہونے لگی ہیں پوری میخوار کی دعائیں

دِل جل رہا ہے میرا، مغموم ہیں فضائیں
کوئی نہیں ہے اپنا، ساتھی کہاں سے لائیں

ناراض وہ اگر ہیں، رہنے بھی دیجیے گا
اِک بار تو انہیں ہم رودادِ غم سنائیں

کرنے کو غم غلط ہم، گھر سے نکل پڑے ہیں
تسکین ہو سکی وہ بھی، گر پاس اپنے آئیں

غیروں کی انجمن میں کرتے ہیں یاد مجھ کو
اس کو وفائیں سمجھوں یا سمجھوں میں جفائیں

سرمایہ کیا رہے گا، دل میں تمہارے غم کا
کچھ اشک رہ گئے ہیں وہ بھی اگر لٹائیں

وعدوں پہ ان کے اپنی گزری ہے عمر ساری
وعدوں کا کیا بھروسہ آنا ہے ان کو آئیں

کس نے کہا ہے امجد وہ آپ کے نہیں ہیں
زخموں پہ زخم دے کر لیتے ہیں وہ بلائیں



کس کس کو اپنا دوست بناتے رہیں گے آپ
محفل کو اپنی روز، سجاتے رہیں گے آپ

خاموش دل میں درد بساتے رہیں گے آپ
کب تک یہ اپنا راز چھپاتے رہیں گے آپ

طرز وفا یہ آپ کی بتلا رہی ہے صاف
جو ہنس رہا ہے اُس کو رُلاتے رہیں گے آپ

کب تک یہ بے نیازی، تبسّم سے کام لیں
جلتے ہوئے کو اور جلاتے رہیں گے آپ

ملنے کی آرزو بھی ہے اور دوریاں بھی ہیں!
کس طرح رنگ اپنا جماتے رہیں گے آپ

جب میری یاد آکے ستائیگی رات دِن
گزری کہانیوں کو سناتے رہیں گے آپ

امجدؔ قدم اُٹھایئے حالات دیکھ کر
ہر وقت اُس کے گیت ہی گاتے رہیں گے آپ

نظروں میں اگر آپ کا جلوہ نہ رہے گا
دُنیائے محبت میں اُجالا نہ رہے گا

اِک بار اِدھر آپ کبھی آکے تو دیکھیں
الزام میرے سر یوں ہی کیا کیا نہ رہے گا

وہ وقت بھی آئے گا ذرا صبر کر اے دِل
جب کوئی بھی جلوہ پسِ پردہ نہ رہے گا

ہر مرحلہ مرضی کے موافق نہیں ہوتا
تم جیسا سمجھتے ہو وہ ویسا نہ رہے گا

حالات کی رفتار یہی ہے تو یقیناً
مِلنے کا کِسی سے کوئی حیلہ نہ رہے گا

کرتی ہیں تمہیں یاد شبِ غم کی فضائیں
تم آؤ تو پھر کوئی تماشہ نہ رہے گا

انجامِ ملاقات ابھی سوچ لو امجد
مِلنے کا جب اُس سے کوئی رستہ نہ رہے گا



اس طرح سے وہ میرے دل میں نہاں ہوتا ہے
ہر قدم پر مجھے اس کا ہی گماں ہوتا ہے

پیار جب اُس کی نگاہوں سے عیاں ہوتا ہے
حالِ غم خود بخود آپ اپنی زباں ہوتا ہے

رازِ اُلفت کا زمانے سے چھپے گا کیوں کر
آگ لگتی ہے تو لازم ہے دھواں ہوتا ہے

میرے سینے پہ ذرا ہاتھ تو رکھ کر دیکھو
چل ہی جائے گا پتہ درد کہاں ہوتا ہے

اُس کو احساس ہوا جب سے مری اُلفت کا
ہر جگہ ذکر مرا، اس کی زباں ہوتا ہے

حادثے اس میں رہا کرتے ہیں دُنیا بھر کے
دِل ہی انسان کا اِک ایسا مکاں ہوتا ہے

ہوش رہتا ہے کہاں سے من و تو کا باقی
پاس رہ کر بھی جُدائی کا گماں ہوتا ہے

بات کرنا تو الگ بات ہے اُن سے امجد
مُسکرانا بھی مِرا، ان کو گراں ہوتا ہے



نزدیک آ کے کوئی جب دور ہو گیا ہے
نادان دِل ہمارا رنجور ہو گیا ہے

جب سے نظر لڑی ہے زخمی ہے دِل جگر بھی
بیٹھے بٹھائے جیسا ناسور ہو گیا ہے

ویرانیاں چمن کی خود بولنے لگی ہیں
کیوں اس کا پتّہ پتّہ بے نور ہو گیا ہے

حُسن و جمال اس کا خاموش کب رہا تھا
دل کی ہر اک گرہ میں محصور ہو گیا ہے

کیا جانے کیا کہا ہے میری نظر نے اُس سے
آئینہ دیکھ کر وہ مغرور ہو گیا ہے

ایسی فضا بنی ہے اب میکدے کی امجدؔ
ہر تشنہ کام جیسے مخمور ہو گیا ہے



درد دل لا دوا نہیں ہوتا
کیا دعا سے بھلا نہیں ہوتا

وعدہ اُس کا وفا نہیں ہوتا
اور اپنا بھلا نہیں ہوتا

نظریہ، یہ اپنا اپنا ہے
ورنہ کوئی برا نہیں ہوتا

پارسائی کو چھوڑیئے صاحب
ہر کوئی پارسا نہیں ہوتا

جب بھی جلتا ہے آشیاں اپنا
باغ میں تذکرہ نہیں ہوتا

لاکھ خدمت کریں بزرگوں کی
قرض پھر بھی ادا نہیں ہوتا

اُس کا ملنا بھی امجدؔ اپنے
اِک نیا حادثہ نہیں ہوتا



پیار اُن کا تو اِک بہانا ہے
در حقیقت ہمیں جلانا ہے

دیدِ جاناں کی آرزو ہے مگر
دیکھنا ہے، نہ کچھ دکھانا ہے

نظریں غیروں پہ کیا اٹھائیں گے
پہلے اپنوں کو آزمانا ہے

چین سے مرنے دیگی کیا دُنیا
قرض اس کا ابھی چکانا ہے

وقت اپنی روش نہ بدلے گا
عُمر اب تو یوں ہی بِتانا ہے

جام حرص و ہوس کے متوالو
زندگی کا کوئی ٹھکانا ہے

عِشق بھی چھپ سکا کہیں امجد
ہر ورق پر وہی فسانہ ہے



رسمِ اُلفت نبھائیے اَب تو
پیار اپنا دکھائیے اَب تو

کیوں جھجھکتے ہیں خوف کِس کا ہے
پاس اپنے بُلائیے اَب تو

لُطفِ مَے دیکھنا اگر ٹھیرا
لَب سے ساغر لگائیے اب تو

مَے کا پینا حرام ہے لیکن
دُھوکا ایسا نہ کھائیے اَب تو

نرم و نازک سی اُنگلیوں کی قسم
دُور ہم سے نہ جائیے اَب تو

آپ کو ہے اگر ذرا فرصت
میرے گھر کو بھی آئیے اَب تو

زندگی دو دنوں کی ہے امجدؔ
غم سے خود کو بچائیے اب تو

ہوتی ہے کیا رہائی کی تدبیر دیکھنا
کب ٹوٹتی ہے پاؤں کی زنجیر دیکھنا

آئے گی کب دعاؤں میں تاثیر دیکھنا
کیا کیا دکھائے گی ہمیں تقدیر دیکھنا

اُس پیکرِ جمال کو آنے تو دیجئے
دیوار و در پہ چھائے گی تنویر دیکھنا

حالات کہہ رہے ہیں کہ وہ آئیں گے ضرور
کچھ تو کرے گی خوبیٔ تقدیر دیکھنا

ظلم و ستم نے اس طرح رکھا ہے گھیر کر
باقی رہے گی گھر کی نہ شہتیر دیکھنا

نام آپ کا جو رات دن اپنے لبوں پہ ہے
اپنی زباں میں آگئی تاثیر دیکھنا

اُس کی زباں پہ ذکرِ عدو کا جو آگیا
لُٹنے لگی ہے اب میری توقیر دیکھنا

آنکھوں میں کتنے خواب لیے جی رہے ہیں ہم
ملتی ہے کتنے خوابوں کی تعبیر دیکھنا

امجدؔ کسی سے ربط بڑھاتے تو ہیں مگر
ہو جائے گی خود آپ کی تشہیر دیکھنا



وہ ڈھانے لگے ہیں ستم کیسے کیسے
اُٹھانے پڑے رنج و غم کیسے کیسے

اداؤں نے جن کی مٹایا ہے دل کو
ہمیں بھی ملے ہیں صنم کیسے کیسے

اُنھیں کیا ضرورت ہے تیر و سناں کی
کہ زُلفوں میں اُن کے ہیں خم کیسے کیسے

اُنھیں کیا بتائیں وہ خود ہی ہیں واقف
مقدر میں اپنے ہیں غم کیسے کیسے

جہاں کے حوادث نے راہِ وفا میں
مِٹائے نشانِ قدم کیسے کیسے

فقط ذوقِ سجدہ کی خاطر یہ دنیا
بناتی ہے دیر و حرم کیسے کیسے

دِکھاوا ہے یہ یا حقیقت ہے امجد
وہ کرنے لگے ہیں کرم کیسے کیسے



یوں تو سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں
آہ و زاری کا اثر کچھ بھی نہیں

سوزشِ غم کا اثر کچھ بھی نہیں
اُس سے ملنے کا ثمر کچھ بھی نہیں

ساتھ جب تک نہ رہے زادِ سفر
آخرت کا یہ سفر کچھ بھی نہیں

ہجر کی رات ہے اور یہ تنہائی
عمر گزری ہے مگر کچھ بھی نہیں

اُس کا آنا تو مسلّمہ ہے مگر
آمد آمد کی خبر کچھ بھی نہیں

فانی دُنیا کی ہر اِک شئے فانی
حاصلِ دولت و زر کچھ بھی نہیں

دونوں عالم کی ہے رونق اس سے
کون کہتا ہے بشر کچھ بھی نہیں

چاہیئے عِلم و ہنر انساں میں
زیست بے عِلم و ہنر کچھ بھی نہیں

کیا کرے ایسے چمن کو امجدؔ
بے ثمر ہو تو شجر کچھ بھی نہیں



ہر گھڑی ہم کو ستانے نکلے
آگ دل میں وہ لگانے نکلے

پیار اپنا وہ دکھانے نکلے
کر کے احسان جتانے نکلے

تذکرہ جب بھی وفا کا آیا
اگلے وقتوں کے فسانے نکلے

حسبِ وعدہ وہ بھلا کب آئے
کچھ نہ کچھ تازہ بہانے نکلے

دلِ بے تاب کے ویرانے میں
حُسن کے کتنے خزانے نکلے

جل کے جب راکھ ہوا گھر سارا
لوگ سب آگ بجھانے نکلے

کروٹیں وقت نے ایسی بدلیں
خواب آنکھوں سے سہانے نکلے

کرتے ہیں ہوش کی باتیں امجد
کتنے ہشیار دِوانے نکلے



سُرخ ڈورے آنکھ میں ہیں چہرہ پُرانوار ہے
رشک جس پر ہو بہاروں کو وہ حسنِ یار ہے

جب سے پھیری اُس نے نظریں حال دل کا کیا کہیں
ہر قدم زندگی، آزار ہی آزار ہے

اُس سے ملنے کا تصور خواب بن کر رہ گیا
آرزو دیدار کی، گرتی ہوئی دیوار ہے

دیدہ و دل کی فضا میں کیا تغیر آ گیا
پھر سے تجدیدِ محبت کیلئے تیار ہے

کوچۂ جاناں کا منظر ذہن سے ہٹتا نہیں
جس کا ہر ذرہ منور ہے، یہ وہ گلزار ہے

زندگی کی صورتیں، سب کھو چکیں اپنا اثر
اب نہ اگلی صحبتیں ہیں اور نہ وہ معیار ہے

اُس کا دامن چھُٹ گیا امجد جنوں کے ہاتھ سے
دِل کی حالت کا سنبھلنا اب بہت دشوار ہے



اُلفت کا ہے مقام ذرا آنکھ تو مِلا
رُکنے کا کیا ہے کام ذرا آنکھ تو مِلا

ساقی تری عطاؤں سے مایوس میں نہیں
خالی ہے میرا جام ذرا آنکھ تو مِلا

تری حسین اداؤں پہ چھائی ہیں مستیاں
پینا ہے اب حرام ذرا آنکھ تو مِلا

ہمّت بھی ہے بلند، مرا عزم بھی بلند
منزل ہے اِک دو گام ذرا آنکھ تو مِلا

تاخیر کیوں ہے گردشِ ساغر میں ساقیا
ڈھلنے لگی ہے شام ذرا آنکھ تو مِلا

بھُولے ہوئے کو تو نے جو پھر سے جگا دیا
یاد آگیا ہے نام، ذرا آنکھ تو مِلا

امجدؔ سمجھ سکا نہ نظر کے پیام کو
ہے بات نا تمام ذرا آنکھ تو مِلا



عمر گزری انھیں منانے میں
پیار بڑھتا گیا ستانے میں

کیا ملے گا اب آزمانے میں
دونوں بھی آ گئے فسانے میں

برق سے دوستی کہاں ممکن
نہ سہی کچھ بھی آشیانے میں

ہر طلب اپنی مانگ لینا ہے
کیا نہیں ہے ترے خزانے میں

ساری ہشیاری رہ گئی اپنی
آ گئے اُن کے ہم بہانے میں

وقت آخر ہے روٹھنا کیا
دیر کرنا نہ اب بلانے میں

حال پوچھو نہ اپنے عاشق کا
لُٹ گیا ہر طرح زمانے میں

اُن سے تسکینِ درد کیا چاہیں
وہ تو ماہر ہیں دِل جلانے میں

کیوں جھجکنا ہے آپ کا امجد
قصۂ غم انھیں سنانے میں



پیار لازم ہے آدمی کے لئے
چاہیئے کچھ تو زندگی کے لئے

دل میرا چیر کر کبھی دیکھو
غم سہے کتنے اک خوشی کے لئے

لاکھ اندھیروں کا ہو ہجوم مگر
اک کرن بس ہے روشنی کے لئے

یوں بظاہر سبھی ہمارے ہیں
پر نہیں کوئی بھی کسی کے لئے

عمر کرتی نہیں وفا لیکن
لوگ مرتے ہیں زندگی کے لئے

اُن کی طرزِ وفا بتاتی ہے
دل لگایا ہے دل لگی کے لئے

جس کا انجام ہو خزاں امجد
موت ہے وہ ہنسی کلی کے لئے



بے چین نگاہیں تھیں، دیدار کی حسرت تھی
آنچل جو ہٹا اس کا بس ایک قیامت تھی

آہٹ کے بغیر آنا سوتے کو جگا دینا
پردے میں محبت کے پوشیدہ شرارت تھی

مخمور گھٹائیں تھیں تھم تھم کے برسنے کو
توبہ کا محل کیا تھا پینے کی ضرورت تھی

اوقاتِ زمانہ نے وہ رنگ دکھایا ہے!
آنکھوں سے رواں آنسو بے چین طبیعت تھی

ساقی کی نگاہوں نے اک دھوم مچا ڈالی
خالی نہ رہا ساغر، ہر جام میں ندرت تھی

گرداب میں کشتی کا پُر درد نظارا تھا
ساحل پہ پہنچنے کی کس درجہ نہ حسرت تھی

امجدؔ کے بھروسہ پر کیوں آپ چلے آتے
سوچا تو ذرا ہوتا کیا اس کی ضرورت تھی

جُدائی کے صدمے سہا ہم کریں گے
غموں کے سہارے جیا ہم کریں گے

تری ہر ادا پر لٹا ہم کریں گے
محبت کے آنسو پیا ہم کریں گے

یقیں تم کو آئے گا جب تک ہمارا
تمہارے ہی دل میں رہا ہم کریں گے

نہ کھل جائے راز محبت جہاں پر
ہمیشہ لب اپنے سیا ہم کریں گے

کہاں ہیں وہ وعدے تمہاری نظر کے
اگر تم نہ چاہو تو کیا ہم کریں گے

تصوّر نہ کرنا قیامت کے دن کا
کہ ملنے کی یاں پر دعا ہم کریں گے

تمہیں گر ہے منظور تو آزما لو
دل و جاں بھی تم پر فدا ہم کریں گے

تقاضے محبت کے رکتے کہاں ہیں
ترا نام ہر دم لیا ہم کریں گے

مداوائے غم ہو سکے گا نہ امجد
مقدر یہی ہے تو کیا ہم کریں گے



تیری آنکھوں سے ہم کو کیا ملا ہے
ہمارا درد ہم کو کھا گیا ہے

زمانہ ہم سے برہم وہ خفا ہے
بڑا صبر آزما یہ مرحلہ ہے

نہ کیجیے وقت ضائع اس طرح سے
بھلا باتوں میں ایسی کیا دھرا ہے

اثر ہے حُسن کی نیرنگیوں کا
ہمارا دل جو دیوانہ ہُوا ہے

تمنّا جس سے ملنے کی تھی ہم کو
وہ ہم سے خواب میں اکثر ملا ہے

نگاہیں پھیر لیں ہر اک نے ہم سے
مقدر میں نہ جانے کیا لکھا ہے

نہ دو الزام امجدؔ تم کسی کو
زمانہ ہی وفا نا آشنا ہے



ہمارا چاہنے والا چمن میں رہتا ہے
یہ کون شخص ہے جو انجمن میں رہتا ہے

ہر ایک آنکھ ترستی ہے دیکھنے جس کو
نظر اٹھائی تو اپنے وطن میں رہتا ہے

تلاشِ یار میں گزری ہے زندگی ساری
ہمیشہ دل مرا اس کی لگن میں رہتا ہے

یہ کیسی خوشبو ہے، دیوانہ جو بناتی ہے
کوئی تو ہے جو ترے پیرہن میں رہتا ہے

یہ حسنِ یار ہے جس کی ضیا ہر اک جا ہے
اُسی کا عکس ہر اک بانکپن میں رہتا ہے

لُٹا ہے جو بھی محبت کی راہ میں امجد
وہ ساری زندگی رنج و محن میں رہتا ہے



چھلکتے ہیں آنکھوں کے رنگین پیالے
بُلا پاس اور اپنے دل میں بٹھالے

مری روح زخمی ہے، دل میں ہیں چھالے
میری زندگانی کو تو ہی بچالے

تری اِک نظر پر ہے قربان سب کچھ
دِل و جان سب کچھ ہے تیرے حوالے

بڑی مشکلوں سے تو ملنا ہوا ہے
مِلا کر نظر تو، نظر نہ چُرالے

مجھے کیا غرض، دولتِ دو جہاں سے
تجھی سے ہے رغبت، تو اپنا بنالے

ترے نقشِ پا نے، بتایا ہے رستہ
چلے جا رہے ہیں، چلے جانے والے

اگر راہ پر اُن کو لانا ہے امجد
وہ روٹھے ہوئے ہیں کبھی تو منالے



لُطف مے ہے بہار ہے اب بھی
ہلکا ہلکا خُمار ہے اب بھی

اُن کو ملنے سے عار ہے اب بھی
پیار اپنا اُدھار ہے اب بھی

کون جانے کہاں گئے تھے ہم
ہر طرف اک پُکار ہے اب بھی

یوں قدم اپنے لڑکھڑاتے ہیں
سامنے حُسنِ یار ہے اب بھی

بے نیازی کو ان کی کیا معلوم
ہر نظر دلفگار ہے اب بھی

آپ کس طرح چھوئیں گے گُل کو
گُل کے پہلو میں خار ہے اب بھی

دِل سے نِکلا نہیں خیال ان کا
آرزو اشکبار ہے اب بھی

آ بھی جا مجھ کو بھُولنے والے
ہر گھڑی انتظار ہے اب بھی

مُسکرائیں گے کس طرح امجد
اپنا دِل داغدار ہے اب بھی



سنبھل کر مِل اے دِل سنبھل کر ذرا
نہ کر بات تیور بدل کر ذرا

تجاہل سے اُن کی نہ مایوس ہو
ذرا اُن سے مِلنا مچل کر ذرا

نہ آیا کوئی ساتھ منزل تلک
سبھی رہ گئے ساتھ چل کر ذرا

وہی حُسن ہے اور وہی شوخیاں
کرو غور آنکھوں کو مل کر ذرا

کسی کے سنبھالے سنبھلتا نہیں
بگڑتا ہے جب دل بہل کر ذرا

دوئی کو مِٹا دو، بڑا لطف ہے
قدم دو قدم اور چل کر ذرا

رہو اُن سے محتاط امجد مگر
کبھی مل بھی لینا سنبھل کر ذرا



پیار منجدھار میں نظر آیا
غم دلِ زار میں نظر آیا

عشق دیوانگی پہ مائل ہے
حُسن بازار میں نظر آیا

عمر ساری کٹی ہے بے معنیٰ
لُطف دیدار میں نظر آیا

وہ تو نفرت کی بات کرتے ہیں
پیار انکار میں نظر آیا

اِک اِک درد زندگانی کا
دلِ بیدار میں نظر آیا

جذبۂ عشق جو بھی ہے امجد
میرے اشعار میں نظر آیا



ملو غیر سے میں نے روکا نہیں ہے
مجھے آپ سے کوئی خدشہ نہیں ہے

یہ بے چین ہے دل بہلتا نہیں ہے
سنبھالا تھا لیکن سنبھلتا نہیں ہے

سوا سچ کے کہنا نہ تم بات کوئی
کہ سچ بات میں کوئی دھوکا نہیں ہے

تمہاری نظر مجھ پہ جب سے ہوئی ہے
کہیں دل مِرا آج لگتا نہیں ہے

بس اِک جاں دو قالب گزارے ہیں ہم نے
زمانے پہ یہ راز کھُلتا نہیں ہے

زمانے کی تم کو نظر لگ نہ جائے
شب و روز آنا یہ اچھا نہیں ہے

ہزاروں میں امجد نے پایا ہے ہم کو
ہمارا ہے امجد کسی کا نہیں ہے



عجب یہ زندگی کا حادثہ ہے
کوئی مڑ کر جو مجھ کو دیکھتا ہے

مجھے تسکین ہر دم دینے والے
بتا دل میں بھی تیرے کیا چھپا ہے

ہوا زاہد بھی زیرِ دام تیرا
جو تیرا حُسن ہے جادو بھرا ہے

ارے ظالم تری کافر جوانی
جسے دیکھو فقط تجھ پر فدا ہے

کبھی سینے پہ اپنے ہاتھ رکھ دے
ہمارے درد کی تو ہی دوا ہے

خدا حافظ ہے اب کشتی کا اپنی
ہمارا ناخدا ہی لاپتہ ہے

ذرا ہم کو سنا دے حال اپنا
سمندر ساحلوں سے پوچھتا ہے

مری غربت پہ امجدؔ یوں نہ ہنسنا
کوئی جس کا نہیں اس کا خدا ہے



اجنبی سے دل لگانا آگیا
غیر کو اپنا بنانا آگیا

درد کو دل میں چھپانا آگیا
دل جلا کر آزمانا آگیا

کمسنی میں اس قدر بے باکیاں
جانے والے کو منانا آگیا

ڈال کر باہوں میں باہیں دوستو
زیست کا دکھڑا سنانا آگیا

حادثوں کا سامنا کرتے ہوئے
زندگانی کو سجانا آگیا

ہجر کی راتیں مری کٹتی نہیں
اب تو خود کو بھول جانا آگیا

ہوگئی ہے کیا ستم کی انتہا
آج امجد کو ستانا آگیا



تڑپتی ہے ہر شب سحر کے لئے
عجب زندگی ہے بشر کے لئے

اگر چاہتے ہو کہ اُلفت بڑھے
دعا مانگ لینا اثر کے لئے

زمانے نے جب اُس کو ٹھکرا دیا
وہ آیا ہے اب اپنے گھر کے لئے

رکھو میرے ماتھے پہ ہاتھ اِک ذرا
دوا چاہیئے دردِ سر کے لئے

ہر اِک فرد گو اپنا ہمدرد تھا
نہ تھا کوئی ساتھی سفر کے لئے

پرائے لگے ہیں یہ دیوار و در
میں ہوں اجنبی اپنے گھر کے لئے

ہے امجد بھلا ایسی کیا بے کلی
کھڑے کیوں ہو تم نامہ بر کے لئے



ربطِ غم استوار کر لینا　　پیرہن تار تار کر لینا

صرف خوشیاں متاعِ زیست نہیں　　درد و غم بھی شمار کر لینا

سننے والوں کو رحم آجائے　　یوں بیاں حالِ زار کر لینا

ہے تمنا یہی اگر اُس کی　　جان و دل بھی نثار کر لینا

جس سے دل کو سکون ملتا ہے　　کام وہ بار بار کر لینا

اُس کی اُلفت سدا رہے قائم　　دل کو باغ و بہار کر لینا

اُس کو اپنا اگر بنانا ہے　　التجا بار بار کر لینا

اُس کو آجائے گا ترس اِک دن　　وقت کا انتظار کر لینا

حادثوں کا مقابلہ کرتے　　زندگی سے پیار کر لینا

میں تمہیں بھول تو نہیں سکتا　　تم میرا انتظار کر لینا

جس کو دل آپ نے دیا امجد
جاں اُس پر نثار کر لینا

○

آجاؤ پاس میرے دیری میں کیا دھرا ہے
رکنے کی بات کیا ہے نظروں نے طے کیا ہے

ملتے ہیں جب بھی دو دل اکثر یہی ہوا ہے
جادو ہر اک نظر کا کام اپنا کر گیا ہے

ڈرنے کی بات کیا ہے عالم شباب کا ہے
دنیا اگر اچھالے یہ اس کا فیصلہ ہے

کس کا قصور ہے یہ لٹتا ہے کس طرح دِل
سمجھائیں اس کو کیسے یہ ایک حادثہ ہے

ساقی کی تیز نظریں مجبور کر رہی ہیں
انکار کیسے ہوتا پینے کو جب مِلا ہے

بغض و حسد و کینہ، بربادیوں کے ساماں
تم اس سے دور رہنا، دوری میں ہی بھلا ہے

دُنیا کے سامنے ہے امجد کی پارسائی
آنکھوں میں سُرخ ڈورے مرکز سے وہ چلا ہے



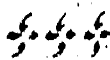
شیشۂ دِل جب کسی کا ٹوٹتا ہے
غم کا چشمہ آنکھوں سے خود پھوٹتا ہے

کیا گزرتی ہے دِلوں پر کیا کہیں
جب کوئی ساتھی کسی سے چھوٹتا ہے

خوف جس دِل میں نہ ہو اللہ کا
آدمی کو بس وہی تو لوٹتا ہے

عِشق میں اکثر یہی دیکھا گیا
کوئی لُٹتا اور کوئی لُوٹتا ہے

امجد اس کی کیا شکایت ہو سکے
لُوٹنے والا تو سب کو لُوٹتا ہے



ڈوبی ہوئی مستی میں گھٹا جھوم رہی ہے
نرگس کی نِگاہوں میں صبا جھوم رہی ہے
گھونگھٹ جو اُٹھایا تو پتہ ہم کو چلا ہے
معصوم نگاہوں میں حیا جھوم رہی ہے

کلی کھلتے کھلتے جو مرجھا گئی
مجھے آرزو اپنی یاد آ گئی

جدائی کسی کی ستم ڈھا گئی
میرے دل کو ہر وقت تڑپا گئی

نظر ان کی مل کر جو شرما گئی
محبّت کی برسات برسا گئی

اُجالے اندھیروں میں ضم ہو گئے
اُبھرتی جوانی بھی گھبرا گئی

بہاروں میں اجڑا جب اپنا چمن
خدا جانے کس کی نظر کھا گئی

یکایک مرا دل دھڑکنے لگا
نہ جانے یہ کس کی صدا آ گئی

گلستاں میں ہم مست و سرشار تھے
نشیمن پہ بجلی ستم ڈھا گئی

ملے بھی تو آج وہ ایسے ملے
تھی برسوں سے جو اک تمنّا گئی



جب خوشی اعتبار کھوتی ہے
ایسا لگتا ہے پیار کھوتی ہے

مفلسی اور یہ پریشانی
زندگی کی بہار کھوتی ہے

میری مستی عجیب مستی ہے
میکشی کا وقار کھوتی ہے

باغباں کی ذرا سی غفلت بھی
ہر چمن کی بہار کھوتی ہے

زندگی تیری ایک لغزش ہی
موت کو بار بار کھوتی ہے

جانے کیا ہو گیا انا کو مری
حوصلہ سوئے دار کھوتی ہے

میرا احساس مر چکا امجد
بے بسی اختیار کھوتی ہے



وہ اجنبی تھا اور مجھے جانتا نہ تھا
ملتا میں کس طرح کہ کوئی راستہ نہ تھا

نظروں کا کھیل تھا نہ تو موسم کی بات تھی
اِک اتفاق تھا جو ابھی تک ہوا نہ تھا

دُوری کے ساتھ یادوں کا بھی سلسلہ رہا
کیسے کہوں کہ دوست میرا باوفا نہ تھا

کیا جانے کیا ہوا ہے مزاجِ حیات کو
پہلے دِلوں میں اتنا کبھی فاصلہ نہ تھا

مایوس ہوگیا ہوں میں ہر انقلاب سے
میرے لیئے تو حادثہ کوئی نیا نہ تھا

حرص و ہوس نے اسطرح بدلا ہر ایک کو
اپنی جگہ ہر آدمی گزرا زمانہ تھا

حالات ایسے ہوگئے امجدؔ زمانے کے
سمجھے تھے پارسا جسے وہ پارسا نہ تھا



پیار ہو جائے کسی سے تو قباحت کیا ہے
انگلیاں ہم پہ اٹھانے کی ضرورت کیا ہے

حسب وعدہ یہ نہ آنے کی روایت کیا ہے
صاف بتلایئے کہ ہم سے شکایت کیا ہے

درد کو دل میں چھپاتا تو بجا ہے لیکن
غیر سے ربط بڑھانے کی جسارت کیا ہے

جس کو کہتے ہیں قیامت وہ تو آئے گی مگر
تم اٹھاتے ہو جو پہلے یہ قیامت کیا ہے

زندگی بھر تو ستاتے رہے اک اک لمحہ
آخری وقت مگر آنے کی عادت کیا ہے

جرم قاتل پہ ہی ثابت نہیں ہوتے پاتا
جہاں انصاف نہ ہو ایسی عدالت کیا ہے

زر و دولت کی ہوس نے کیا اندھا تم کو
غیر تو غیر ہیں اپنوں سے بغاوت کیا ہے

جب سکوں کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں امجد
پھر کتابوں سے مٹانے کی ضرورت کیا ہے



بزمِ ہستی تو خواب کی سی ہے!
دلِ خانہ خراب کی سی ہے

کہتے کہتے وہ رُک گئے کیوں ہیں
بات ہی کچھ حجاب کی سی ہے

میکشی کی ہمیں ضرورت کیا
نظر اُس کی شراب کی سی ہے

کوئی جا کر انہیں یہ سمجھائے
بے رُخی اک عذاب کی سی ہے

پیچھے بھاگو نہ اس کے دیوانو
زندگی تو سراب کی سی ہے

وقت و حالات کے شکنجے میں
زندگی اِک عذاب کی سی ہے

کیوں نہ مانوس ہو نظر امجدؔ
اُس کی صورت گلاب کی سی ہے



تقاضے دردِ دل کے صاحبانِ دل سمجھتے ہیں
ترے ملنے کو اپنی عمر کا حاصل سمجھتے ہیں

جو نا کردہ گنہ ہیں ان کو بھی قاتل سمجھتے ہیں
پھر اس پر آپ اپنے کو بڑا عادل سمجھتے ہیں

محبّت کرنے والوں کی کوئی منزل نہیں شاید
کہ منزل کو بھی دیوانے رہِ منزل سمجھتے ہیں

کچھ اتنی مرتبہ ٹوٹے ہیں ہم حالات کے ہاتھوں
کوئی ٹوٹی ہوئی شے ہو ہم اپنا دل سمجھتے ہیں

بجائے شکوۂ غم شکر ان کا کر دلِ ناداں
اسی کو دیتے ہیں غم جس کو اس قابل سمجھتے ہیں

حساب اپنا چکا لیتی ہے ان سے زندگی اک دن
تمہارے عشق کو جو سعیٔ لاحاصل سمجھتے ہیں

کوئی حسنِ مجسّم بام پر جب جلوہ فرما ہو
فدائی حسن کے اس کو مہِ کامل سمجھتے ہیں

جہاں ان کا تصوّر ذہن و دل میں جگمگاتا ہے
وہاں ہم اپنی تنہائی کو بھی محفل سمجھتے ہیں

ہماری زندگی دنیا میں گزری اس طرح امجد
کہ ہم طوفان کو بھی دامنِ ساحل سمجھتے ہیں



اک ہاتھ میں مینا ہے، اِک ہاتھ میں پیمانہ
میخوار تیرا ساقی، کیا ہو گیا دیوانہ

رِندوں کے بہکنے کا اب کس سے گلہ کیجیے
بہکا نظر آتا ہے میخانے کا میخانہ

حالات نے دنیا کی تہذیب بدل ڈالی
اپنا جسے سمجھے تھے وہ ہو گیا بیگانہ

کب اُن کو خیال آیا ہم درد کے ماروں کا
لبریز نظر آیا جب صبر کا پیمانہ

ہم پیار کی راہوں میں رہ رہ کے لُٹے اتنے
کچھ بھی نہ رہا باقی، کیا دیں اُنھیں نذرانہ

کُچھ ہوش نہ جلنے کا، کُچھ خوف نہ مرنے کا
کِس درجہ محبّت میں بےباک ہے پروانہ

یہ عشق کی منزل ہے کچھ کھیل نہیں امجد
جو کام بھی کرنا ہے کر جاؤ دلیرانہ



تو میرا کب ہے ظالم اور کا ہے!
مگر دل میں تو، میرے تو بسا ہے

تیرے فضل و کرم کی انتہا ہے
کہ بے مانگے مجھے سب کچھ دیا ہے

وہ سائے سے بھی اپنے ڈر رہا ہے
خدا جانے اُسے کیا ہو گیا ہے

مقدّر یہ نہیں تو اور کیا ہے
سرِ راہ مجھ سے وہ اکثر مِلا ہے

جفاؤں میں بھی اِک شانِ وفا ہے
ازل ہی سے عجب اس کی ادا ہے

مزاجِ یار کا عالم نہ پوچھو
ذرا سی بات پر برہم ہوا ہے

قیامت ڈھا گیا دل کا دھڑکنا
زباں پر جب ترا نام آگیا ہے

نہ ہوں جذبات کیوں تلخ اپنے امجد
مجھے ہر گام پر دھوکا ہوا ہے



ترجمانِ غم اگر اشک رواں ہو جائیں گے
میرے اندازِ خموشی خود زباں ہو جائیں گے

کاروانِ وقت تو رستے میں رکنے کا نہیں
دیکھتے ہی دیکھتے ہم کارواں ہو جائیں گے

عزم راسخ ہے تو پھر مایوسیوں کا ذکر کیا
راستے کے نقشِ منزل کا نشاں ہو جائیں گے

فضل تیرا ہو اگر کیا دیر لگتی ہے اسے
ایک دن ویرانے بھی جنّت نشاں ہو جائیں گے

اِک ذرا جلنے تو دو تنکے نشیمن کے میرے
برق کے شعلے چراغِ گلستاں ہو جائیں گے

ساتھ اگر دیں گے نہ ہم حالات کی رفتار کا
کارواں سے چھوٹ کے گردِ کارواں ہو جائیں گے

بدگمانی اُن سے امجد اس قدر اچھی نہیں
آج ہیں نامہرباں کل مہرباں ہو جائیں گے

غزل

اس طرح دل میں نور تمہاری نظر سے ہے
دنیا میں جیسے روشنی شمس و قمر سے ہے

منزل سے ہے غرض نہ کسی رہگذر سے ہے
دن رات ہم کو کام مسلسل سفر سے ہے

افتادگانِ خاک کہاں ہٹ کے جائیں گے
وابستہ زندگی تو تری رہگذر سے ہے

رنگِ بہار ہو کہ وہ رونق چمن کی ہو
دونوں کی آن بان بھی گلہائے تر سے ہے

آسودگی ہزار میسر بھی ہو تو کیا
لطفِ حیات صرف غمِ معتبر سے ہے

جس کی نظر سے میرا سکونِ حزیں لٹ گیا
دل کو سکون ہے تو اسی کی نظر سے ہے

امجدؔ ہے انقلاب زمانے کو ہر گھڑی
محفوظ کون گردشِ شام و سحر سے ہے

غزل

ایسا لگتا ہے کوئی ہم سے خفا ہو جیسے
درد میں ڈوبی ہوئی ساری فضا ہو جیسے

بھول کر اس نے مجھے یاد کیا ہو جیسے
دل کے تاروں کو میرے چھیڑ گیا ہو جیسے

مطمئن اسکی جفاؤں سے بھی دل ایسا ہے
بیوفائی بھی کوئی طرزِ وفا ہو جیسے

آج کل حال عجب ہو گیا انسانوں کا
اپنی دانست میں ہر شخص خدا ہو جیسے

بے گناہوں پہ ہے اس طرح زمانہ برہم
بے گناہی بھی حقیقت میں خطا ہو جیسے

اس کی خاموش نگاہی کا ہے انداز ایسا
دل کے احوال کوئی پوچھ رہا ہو جیسے

یوں چلی آتی ہے تنہائی میں آواز اُس کی
خود میرے دل کے دھڑکنے کی صدا ہو جیسے

بے نیازانہ ادا ہو گئی ہے اس کی امجد
رازِ دل اس نے نگاہوں سے کہا ہو جیسے



بشیر امجدؔ

عزم ہو جائے گر جواں امجدؔ
خشک پودا بہار دیتا ہے